جنوری ۸۷ء

1407/5

قد افلح من تزکّی و ذکر اسم ربہ فصلّی ۔ القرآن الکریم

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا

المجاھد من جاھد نفسہ ۔ حدیث شریف

مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرے

ماہنامہ المرشد چکوال

بیادِ

شیخ العرب والعجم صدیق دوراں مجدد طریقت مجتہد فی التصوف بحر العلوم شریعت

امام اولیاء شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ حضرت العلامہ قلزم فیوض برکات

اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

دار العرفان منارہ ضلع چکوال

جلد نمبر ۶ | جنوری ۱۹۸۷ء بمطابق جمادی الاول ۱۴۰۷ھ | شمارہ ۵

ماہنامہ

المرشد

دارالعرفان منارہ ضلع چکوال

بیاد

حضرت العلام مولانا

اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

سرپرست

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ

مدیر مسئول

پروفیسر حافظ عبدالرزاق

ایم اے اسلامیات، ایم اے عربی

مدیران اعزازی

جناب ابوطلحہ

ملک عبدالغفار

اکرام اللہ جان قاسمی

بدل اشتراک

چندہ سالانہ ـــــ ۵۰ روپے

ششماہی ـــــ ۳۰ روپے

فی پرچہ ـــــ ۵ روپے

سول ایجنٹ

اویسیہ کتب خانہ

۱۶۴ گلیکسی شاپنگ سنٹر

فیروز پور روڈ، لاہور

اس شمارہ میں

۱ ● اداریہ ـــــ مدیر ۳

۲ ● باتیں ان کی خوشبو خوشبو ـ استاذ المکرم حضرت مولانا اللہ یار خان رح ۹

۳ ● اسرار التنزیل، حضرت مولانا محمد اکرم مدظلہ العالی [illegible]

۴ ● چراغِ مصطفوی ـــــ حافظ عبدالرزاق ۱۶

۵ ● افہام و تفہیم ـــــ حافظ عبدالرزاق ۲۰

۶ ● نبوت، حقیقی شرف انسانی ـ حضرت مولینا محمد اکرم مدظلہ العالی ۲۳

۷ ● رحمت باری ـــــ حضرت مولانا محمد اکرم مدظلہ ۴۹

۸ ● خواب اور تعبیر خواب ـــــ حضرت مولانا محمد اکرم مدظلہ العالی ۵۲

۹ ● تبصرہ کتب ـــــ ابوحارث ۵۴

۱۰ ● نبی کا مرتبہ ـــــ بحوالہ تفسیر عثمانی ۵۵

۱۱ ● آپکی معلومات کیلئے ـــــ بحوالہ تفسیر عثمانی ۵۵

۱۲ ● اظہار تشکر، نظم ـــــ ڈاکٹر محمد حامد ۵۶

کتابت: حاجی خادم حسین ناصر گگوی۔

طابع و ناشر حافظ عبدالرزاق، مطبوعہ اصلاحی شرکت پرنٹنگ پریس نسبت روڈ لاہور، مقام اشاعت دارالعرفان منارہ ضلع چکوال

اداریہ

امن و سکون سے زندہ رہنا انسان کی ضرورت بھی ہے اور خواہش بھی۔

مگر اس کیلئے سلیقہ درکار ہے۔ چونکہ یہ کوئی فلسفہ نہیں کہ آدمی پڑھ لے اور تخیل کی دنیا میں سیر کرتا پھرے۔ بلکہ یہ تو ایک فن ہے اور ہر فن کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اسے عملاً سیکھا جائے۔ مختلف مروّجہ فنون پر غور کرلیں۔ مثلاً ایک شخص مکینک بننا چاہتا ہے اسے لازماً کسی ورکشاپ میں جاکر عملاً یہ کام سیکھنا اور کرنا پڑے گا۔ یا مثلاً کوئی شخص خوشنویس بنا چاہتا ہے اسے یقیناً کسی ادارہ کتابت میں جاکر لکھنے کی مشق کرنی پڑے گی اور اس کے لیے کسی خوشنویس سے راہنمائی لینا پڑے گی۔

اسی طرح سکون سے زندہ رہنا بھی ایک فن ہے۔ بچہ یہ فن شروع میں اپنے ماں باپ سے اپنے بہن بھائیوں سے، عزیز و اقارب سے، اور پھر اپنے ماحول سے سیکھتا ہے۔ اور اپنے اس قریبی یا دور کے ماحول کے مطابق اپنے آپ کو اس سانچے میں ڈھال لیتا ہے۔ اللہ کا بندہ بن کر زندہ رہنا تو ایک عظیم فن ہے۔ کیونکہ اس زندگی کا دائرہ بڑا وسیع ہے۔ اس کا ایک مختصر اور اہم حصہ وہ ہے جو مرنے تک پھیلا ہوا ہے۔ دوسرا طویل اور نہ ختم ہونے والا وہ حصہ ہے جو مرنے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اور اسے ختم ہونا ہی نہیں۔ تو امن و سکون کی جسطرح اس مختصر زندگی میں ضرورت ہے اس سے کہیں زیادہ اس طویل زندگی کے لیے بھی ضروری ہے۔ پھر ان دونوں کا آپس میں تعلق یہ ہے کہ یہ مختصر زندگی ذریعہ کی حیثیت رکھتی ہے اور وہ طویل زندگی مقصد ہے۔ اس دنیوی زندگی کو پرسکون بنانے کا فن آجائے گا تو اخروی زندگی لازماً پرکیف بن جائیگی۔

زندگی کے دو پہلو ہیں، ایک نظریہ یا تھیوری دوسرا عمل یا پریکٹیکل۔

تھیوری تو کتاب کے مطالعہ سے سمجھ میں آجاتی ہے مگر پریکٹیکل کے تین چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے، لیبارٹری، مشق اور استاد یا ڈیمانسٹریٹر۔ اور یہ اصول ہر قسم کی زندگی کے لیے ناگزیر ہے۔ زندگی خواہ مومنانہ ہو یا کافرانہ، ایماندارانہ ہو یا فاسقانہ ان تینوں چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے۔

اللہ کا بندہ بن کر زندگی بسر کرنے کے لیے اللہ کریم نے نظری پہلو میں رہنمائی کی غرض سے ایک کتاب نازل فرمائی اور اس کی تشریح و تعلیم کے لیے معلّم مقرر فرمایا اور عملی پہلو کے لیے تین ہدایات دیں۔ اوّل لقد کان فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ : کہ زندہ رہنے کیلئے تم جو روّیہ اختیار کرنا چاہتے ہو اس کا فیصلہ از خود نہ کرو بلکہ یہ کامل نمونہ جو محمد رسول اللہ کی صورت میں تمہارے لیے مَیں نے بھیجا ہے اس سے سیکھو اور اس کی ہر ادا کی نقل کرو۔

دوم : والسابقون الاولون من المہاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم و رضوا : یعنی میرے آخری نبیؐ نے مہاجرین اور انصار پر مشتمل جو مثالی معاشرہ تیار کیا ہے یہ امت اور نبی کے درمیان واسطہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لیے بعد میں آنے والوں کو اس معاشرہ کے افراد کو مثال اور نمونہ کے طور پر اپنے سامنے رکھنا ہوگا۔ چنانچہ میں اعلان کرتا ہوں کہ میرے پسندیدہ گروہ صرف تین ہیں مہاجرین، انصار اور سچے دل سے ان کی پیروی کرنے والی جماعت۔ ظاہر ہے کہ جو رب العالمین کے پسندیدہ ہیں وہی یہاں اور وہاں امن و سکون سے رہ سکتے ہیں۔ ناپسندیدہ اشخاص کے لیے بھلا امن و سکون کہاں۔ نیز یہ کہ اللہ کریم کے آخری نبیؐ کا کام وقتی اور عارضی نہیں بلکہ اس فیض کو ہمیشہ قائم رہنا ہے۔ لہٰذا جو جماعت آپؐ نے اپنی نگرانی میں تیار فرمائی اسے یہ دولت تقسیم کرنی ہوگی۔ اور جو کچھ اپنے کامل و اکمل استاد سے سیکھا ہے اس پر نہ صرف خود عمل پیرا ہوں گے بلکہ اسی جذبہ سے یہ فن دوسروں کو سکھانا ہوگا۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ ان حضرات نے فرائض مفوّضہ کے ادا کرنے کا حق ادا کر دیا۔

سوم : واتبع سبیل من اناب الیّ : یعنی میرے نبی کی تیار کردہ جماعت کا ایک زمانہ ہے۔ اس کے بعد قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے یہ اصول مقرر فرما دیا کہ تم اس کے پیچھے چلو جس کا رُخ میری طرف ہو۔ چنانچہ نبی کریمؐ کے براہِ راست شاگردوں کے بعد یہ سلسلہ اسی طرح چلتا آرہا ہے یعنی اسی اصول کے تحت چلتا آرہا ہے۔ اس استاد کو جو اس

طریقہ سے یہ فن سکھائے اصطلاح میں شیخ کہتے ہیں۔ اور شیخ کی ضرورت سے انکار وہی کرے گا جسے اللہ کا بندہ بن کر رہنے کی ضرورت کا احساس نہ ہو۔

اس سلسلے میں اسی احتیاط کی ضرورت ہے جو اور فنون کے معاملے میں ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ استاد فن کا ماہر ہو کوئی اناڑی یا بہروپیا۔ نہ ہو۔ یعنی شیخ کامل ہو۔ جس کے لیے چند شرائط ہیں۔ اور کچھ علامات ہیں۔

پہلی شرط کہ دین کا ضروری علم رکھتا ہو۔ دوسرے یہ کہ اس کی عملی زندگی میں وہ جھلک نظر آئے جو نبی کریم کے براہ راست شاگردوں میں پائی جاتی تھی جس کا اصطلاحی نام اتباع سنت ہے۔ تیسری یہ کہ خود ہی ماہر نہ ہو بلکہ دوسروں کو سکھانے کا سلیقہ بھی آتا ہو۔ اب اس کی وضاحت یوں سمجھیے،

ہر شے کی ایک صورت ہوتی ہے اور ایک حقیقت۔ اسی طرح ہر عمل کی ایک صورت ہوتی ہے اور ایک اس کی روح یا حقیقت

عمل کی صورت کو دیکھ کر قانون کی نگاہ میں اور انسانوں کے معیار کے مطابق یہ فیصلہ کرلیا جاتا ہے کہ یہ کام یا عمل کر دیا گیا۔ مگر مومن کا معاملہ صرف انسانوں سے یا قانون سے نہیں بلکہ اپنے خالق اور رب العالمین سے ہے۔ اور اس کا معیار عمل کی صورت نہیں بلکہ اس کی حقیقت ہے۔ چنانچہ اصول مقرر ہے کہ ان اللہ لا ینظر صورکم واعمالکم ولکن ینظر الی قلوبکم و نیاتکم: یعنی اللہ تمہارے عمل کی ظاہری صورت کو نہیں دیکھتا کہ تم نے یہ عمل کر لیا بلکہ وہ تو تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے کہ تم نے کس نیت سے اور کس مقصد کے تحت کیا۔ اسلیے یہاں عام استاد اور شیخ کامل کے کام میں واضح فرق نظر آجاتا ہے۔ عام استاد کا کام عمل کی صورت سکھانا اور اس کی اصلاح کرنا ہے۔ اور شیخ کا کام عمل کی حقیقت اور روح پر نظر رکھنا اور اس کی اصلاح کرنا ہے۔

پس یوں سمجھیے کہ شیخ کامل کا کام خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اسے صرف صورت عمل سکھانا نہیں بلکہ عمل کی حقیقت اور روح اس کا ٹارگٹ ہوتا ہے، جبھی تو کہتے ہیں کہ تصوف دراصل تصفیۂ قلب کا نام ہے۔

تو شیخ کامل کے لیے پہلی دو شرائط تو صورت عمل سے تعلق رکھتی ہیں۔ مگر تیسری شرط حقیقت عمل اور روح عمل سے متعلق ہے۔ اور یہی شق دراصل شیخ کے کمال کی نشانی ہے تصفیہ قلب وہ مسلسل عمل اور مشق کا مقتضی ہے جس سے قلب ایک ایسا آئینہ بن جائے کہ اس میں انوار و تجلیات کا عکس نظر آنے لگے۔ اور صاحب دل کی عملی زندگی میں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا رنگ جھلکنے لگے۔ اور یہ تب ہوتا ہے جب قلب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے آشنا اور مانوس ہونے لگے۔ اس کیفیت کو اصطلاح تصوف میں مراقبہ فنا فی الرسول کہتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ تصفیہ قلب یہاں تک ہو جائے کہ انسان روحانی طور پر دربار نبوی میں حاضری دینے کے قابل ہو جائے۔ اور اس دربار میں روحانی حاضری۔ اس کی عملی زندگی پر یوں اثر انداز ہوتی ہے۔ کہ وہ اپنی خواہشات اور اپنے پسند و ناپسند کے معیار سے دستبردار ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند کے تحت کر دیتا ہے کیونکہ اس کے کانوں میں یہ آواز گونجنے لگتی ہے؛

لا یؤمن احدکم حتیٰ تکون ھواہ تبعا لما جئت بہ۔

یعنی کسی شخص کو ایمان کی حلاوت سے حصہ مل ہی نہیں سکتا جب تک کہ وہ اپنی خواہشات کو میری سنت کے تابع نہ کر دے۔

لیکن آج طبائع کی کیفیت یہ ہے کہ ؎

؎ چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک تیز رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

مگر اللہ کریم کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم بے نواؤں کو ایسا شیخ کامل میسر آیا جس نے نہ صرف رہنمائی، اصلاح اور تربیت کا حق ادا کر دیا بلکہ اپنے بعد اس فیض کو جاری و ساری رکھنے کے لیے سلسلہ عالیہ کی باگ ڈور ایک کامل کے ہاتھ میں دی اور اس جریدہ کے ذریعے امن و سکون کی راہوں کی نشاندہی کی توفیق بخشی۔ یوں لگتا ہے کہ جیسے شیخ المکرم کی روح کہہ رہی ہو،

؎ پھلا پھولا رہے یارب چمن میری امیدوں کا
جگر کا خون دے دے کر یہ بوٹے میں نے پالے ہیں

مدیر

باتیں انکی خوشبو خوشبو

استاد المکرم حضرت مولانا اللہ یار خان رح | ترتیب محمد اسلم عادل ایم اے۔ ایم ایڈ

o فرمایا :- اسلامی عقائد، فقہی جزئیات، اعمال، اخلاق اور عبادات، اسلام کا قالب ہیں۔ مگر اس کا قلب اور روح، اخلاص و احسان یعنی تصوف و سلوک ہے۔

o فرمایا :-

بلاشبہ دین متین الفاظ کی شکل میں نقل ہو کر ہم تک پہنچا ہے۔ مگر ان الفاظ میں حقیقی معنی بتانے والی جماعت بھی ساتھ ساتھ نسلاً بعد نسل چلتی آئی۔ الفاظ دین کے معنی جو ان حضرات نے سمجھے اس کے مطابق عمل کر کے دکھاتے رہے۔ یہی تعامل اور توارث ہے جو دین کی روح ہے۔ اس پر حقیقی اعتماد ہی دین کی روح ہے اور اصل دین ہے اور یہی دین ایک طرف چار فقہی مذاہب میں اور دوسری طرف چار روحانی سلسلوں میں محفوظ ہو کر ہم تک پہنچا۔ اہل السنت والجماعت کا مدار نبوت کے ان ہی دو پہلوؤں پر ہے۔

---

o فرمایا :-

اگر الفاظ کو معنی پہنانے کے سلسلہ میں آزادی ہو تو وہ دین نہیں بلکہ نفس پرستی ہوگی۔ جہاں تک منقول دین کے الفاظ کے معنی سمجھنے کا تعلق ہے اس کا انحصار تعامل امت پر ہوگا۔

o فرمایا :-

ایمان ایک دعویٰ ہے۔ کسی دعوے کے ثابت ہونے کا مدار اس کے حق میں صحیح شہادت کے ملنے پر ہے۔ اگر شہادت نہ ملے تو دعویٰ غلط اور مدعی جھوٹا ہے۔

ایمان کے دعوے کے لیے اعضاء، جوارح کی شہادت درکار ہے۔ اگر اعضاء و جوارح سے ایسے اعمال سرزد ہوتے ہیں جو اس دعویٰ کی تصدیق کریں تو دعویٰ ثابت، ورنہ دعویٰ غلط اور مدعی جھوٹا ہے۔

o فرمایا :-

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے "مکتوبات" میں لکھا ہے۔ کہ

مراقبہ فنا فی اللہ اور بقا باللہ جب سالک کو راسخ ہو جائے تو وہ یقیناً ایمان پر مرتا ہے۔

○ فرمایا :۔

اللہ والوں سے محبت اس لیے کی جاتی ہے کہ وہ اللہ سے محبت کا سلیقہ سکھاتے ہیں۔ ان حضرات کے پاس ایک ہی مجرب نسخہ ہے کہ وہ بندے کو اللہ کا ذکر کرنے کا سلیقہ سکھاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ان کی صحبت میں رہ کر جب ذکر کیا جاتا ہے تو لازماً اللہ کی محبت پیدا ہوتی ہے۔

○ فرمایا :۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

"جب کچھ لوگ مل کر ذکر کیلئے بیٹھتے ہیں، تو ملائکہ انہیں ڈھانپ لیتے ہیں۔ اور رحمت ان پر چھا جاتی ہے اور اُن پر سکینت نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ملائکہ میں ان کا ذکر کرتا ہے۔ وہ ایسی جماعت ہے کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بدبخت نہیں رہ سکتا۔"

○ فرمایا :۔

ذاکرین صوفیا محل نزولِ انوار و تجلیاتِ باری ہے۔

○ فرمایا :۔

نفس کی صفت غفلت اور شہوت کو مجاہدہ اور ریاضت سے کم کیا جا سکتا ہے۔ ان رذائل کو قلتِ طعام، قلتِ کلام۔ تخلیہ اور اور تقویٰ سے کم کیا جا سکتا ہے۔

○ فرمایا :۔

شیخِ کامل کی پہچان ......

۱۔ عالم ربانی ہو۔ کیونکہ جاہل کی بیعت ہی سرے سے حرام ہے۔

۲۔ صحیح العقیدہ ۔ کیونکہ فسادِ عقیدہ اور تصوف و سلوک کا آپس میں کوئی تعلق، رشتہ ہی نہیں۔

۳۔ متبع سنتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہو۔ کیونکہ سارے کمالات حضور اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع سے حاصل ہوتے ہیں۔

۴۔ شرک و بدعت کے قریب بھی نہ جائے۔ کیونکہ شرک ظلم عظیم ہے اور بدعت ضلالت و گمراہی ہے۔

۵۔ دنیادار نہ ہو کیونکہ ایک دل میں دو محبتیں جمع نہیں ہو سکتیں۔

اسرار التنزیل

از شیخ المکرم حضرت مولانا محمد اکرم صاحب مدظلہ العالی

دار العرفان ۳۰.۷.۱۹۸۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر وفرحوا بالحیوۃ الدنیا: .... الا بذکر اللہ تطمئن القلوب .... الذین امنوا وعملوا الصلحت طوبی لھم وحسن ماب ۰

اللہ جل شانہٗ نے انسانی مزاج اور انسان کی کوتاہ نظری کا ذکر فرمایا ہے۔ اپنا ایک قانون ارشاد فرمایا ہے کہ خلق ساری اس کی مرزوق ہے اور وہ خود رازق ہے جس طرح جنس کے تقسیم کرنے میں بیٹا یا بیٹی بنانے میں۔ جس طرح قدرت کے تقسیم کرنے میں تفاوت ہے۔ جسطرح جسمانی قوت، شکل، صحت یہ سب چیزیں اس نے اپنی مرضی سے اپنی پسند سے تمام مخلوق میں بانٹی ہیں۔ کسی کے پاس زیادہ ہے کسی کے پاس اس سے کم ہے، اسیطرح فرمایا دنیوی رزق بھی اسیطرح تقسیم کر دیا۔

اللہ یبسط الرزق لمن یشاءُ و یقدر: کسی کو اس نے زیادہ عطا فرمادیا ہے اور کسی کو اس سے کم تر عطا فرمادیا ہے۔ اس میں کسی کی ذات کا کوئی کمال نہیں ہے۔ کسی کی خوش بختی کو اس میں دخل نہیں ہے کہ اس کے پاس رزق زیادہ ہے اس لیے وہ خوش بخت ہے۔ یا کسی کی کم نصیبی کا یہ شکوہ نہیں ہے کہ اس کے پاس دنیا کی دولت کم ہے اس لیے وہ کم نصیب ہے۔ یہ بات نہیں ہے۔ بلکہ مختلف نعمتیں ہیں۔ اور انہیں

اللہ کریم نے تمام افراد میں مختلف انداز سے سے تقسیم فرمایا ہے اور جس سے وہ خود ہی بخوبی واقف ہے۔

نظام عالم میں جسطرح جمادات میں، حیوانات ہیں، چھوٹے بڑے پھول دینے والا ہے کوئی۔ کوئی پھل دار ہے۔ کسی کا صرف سایہ ہے۔ کوئی لکڑی جلانے کے لیے کام آتی ہے۔ اور کوئی درخت عمارتی لکڑی دیتا ہے۔ کوئی پہاڑ صرف پتھر دیتا ہے کسی سے صرف مٹی ملتی ہے۔ کسی سے پانی کے چشمے جاری ہیں۔ اسی طرح افراد انسانی میں بھی مختلف اوصاف کو تقسیم فرمادیا ہے کسی کے پاس دولت ہے کسی کے پاس صحت زیادہ ہے۔ کسی کے پاس علم زیادہ ہے۔ کسی کو کوئی وصف، کسی کو کوئی وصف عطا فرما دیا۔ لیکن انسان چونکہ دنیا میں رزق پر زیادہ فریفتہ ہوتا ہے، تو فراخی رزق نے بھی اسے مصیبت میں مبتلا کر دیا۔ اور ایک طرح کا جسے آپ غرور کہہ سکتے ہیں، گھمنڈ کہہ سکتے ہیں اس کے دل میں پیدا کر دیا ہے۔ کہ شاید میں کوئی بہت بڑی ہستی ہوں۔ میری بہت بڑی حیثیت ہے۔ دوسروں سے میں دانا تر ہوں کہ میرے پاس رزق زیادہ ہے۔

اللہ کریم فرماتے ہیں دنیاوی رزق جو ہے آخرت کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر ہے، وما الحیٰوۃ الدنیا فی الاخرۃ الا متاع۔ اُخروی زندگی جو ہے، وہ دنیوی زندگی کے اعتبار سے بہت طویل، بہت لمبی اور نہ ختم ہونے والی ہے۔ اب اس کے مقابلے میں آپ دنیا کے پچاس ساٹھ سالوں کو رکھ کر دیکھیں ان کی کیا حیثیت بنتی ہے۔ اخروی زندگی جو ہے اس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ وہ ہمیشہ قائم رہے گی، ابدالآباد رہے گی۔ اب اس طویل مسافت کے سامنے دنیا کے پچاس ساٹھ سال کا ہونا یا نہ ہونا کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ اتنی بھی حیثیت نہیں بنتی دنیاوی زندگی کی جیسے سمندر کے سامنے ایک قطرے کی۔

اسی طرح دنیاوی مال واسباب کی بھی حیثیت اور دنیوی رزق کی حیثیت بھی ایسے ہی بنتی ہے، اُخروی زندگی کے مقابلے میں۔ اگر کوئی آخرت سے محروم رہا اور دنیا کے رزق پہ نازاں رہا تو اس جیسا کوئی بدنصیب نہیں۔ ہاں دنیاوی رزق جائز وسائل سے حاصل ہو اور اس سے انسان آخرت کو خریدے۔ آخرت کو بنائے۔ اللہ کے حکم کے مطابق خرچ

کرے۔ تو یہ تب ہی کر سکتا ہے جب اس کی نگاہ آخرت پر بھی ہو۔ اگر اس کی نگاہ ہی محدود ہو، محض دنیا پر ہو تو یہ ایسی مصیبت ہے کہ آخرت اور اخروی زندگی، انجام مآلِ کار، حشر و نشر، حساب کتاب ان سب چیزوں کا سراغ ملتا ہے۔ آقائے نامدار محمدؐ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے یا اس سے پہلے بھی حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے پہلے بھی اگر اس موضوع پر لب کشائی فرمائی ہے تو محض اللہ کے نبیوں اور رسولوں نے۔ انبیاء کے علاوہ دنیا میں کیمیا دان بھی ہوئے ہیں سائنس دان بھی ہوئے ہیں، مورخ بھی ہوئے ہیں بڑے بڑے دانشور اور تجزیہ نگار بھی ہوئے ہیں۔ انسانی ابدان کے ماہر حکیم و ڈاکٹر ہر طرح کے لوگ ہوئے ہیں۔ لیکن اخروی زندگی کے بارے اللہ جل شانہ کی ذات و صفات کے متعلق صحیح خبر اگر دی ہے تو صرف انبیاءٔ علیہم الصلوٰۃ والسلام نے۔

اور یہ اتنا ضروری موضوع ہے کہ جہاں تک انسانی تاریخ کا پتہ چلتا ہے، انسان کبھی بھی اس ضرورت سے غافل نہیں رہا۔ ہر دور میں، ہر بستی میں، ہر قریے میں یا ہر اس ویرانے میں جہاں کوئی انسان بستا ہو۔ جن لوگوں نے صرف پتوں سے جسم ڈھانپ کر زندگی بسر کی ہے۔ مذہب کے نام پر انہوں نے بھی کسی نہ کسی رسم کو، کسی طریقے کو اپنایا ہے۔ یعنی یہ مزاجِ انسانی میں ہے کہ اس کا کوئی مذہب ہونا چاہئیے۔ اور یہ انسانیت کی ایسی عالمگیر ضرورت ہے جس سے انسان انکار نہیں کر سکتا اتنی اہم ضرورت جس کا احساس ہر انسان کو ہوا ہے۔ دنیا میں آنے والے ہر شخص کو ہوا ہے۔ آپ افریقہ کے ان وحشی لوگوں کو دیکھیں جو آدم خور تھے اور کہیں کہیں آج بھی ملتے ہیں ان کے نشان ان کا بھی ایک مذہب ہے ایک طریقہ ہے۔ جنگلوں میں رہنے بسنے والے غیر مہذب لوگ انہوں نے بھی مذہب کے نام پر کچھ طریقے کچھ رسومات ایجاد کر رکھے ہیں۔ انہوں نے بھی کسی کو معبود بنا رکھا ہے۔ کسی کی پوجا کرتے ہیں۔ کسی کی عبادت کرتے ہیں۔ خواہ وہ پتھر ہو۔ خواہ جانور ہو، خواہ کوئی سانپ اور اژدہا ہو۔ کوئی درخت ہو، کوئی پہاڑ ہو، کوئی دریا کسی نہ کسی شے کو۔

لیعنی مذہب کی ضرورت انسان کے مزاج میں داخل ہے۔ تخلیقی طور پر اور اس سے تعلق

ہمیشہ خبر دی ہے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے۔

تمام نبی مثالی انسان ہوا کرتے تھے۔ تب لوگ ان کی بات سنتے تھے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا علم، انؑ کے اخلاق، انؑ کے مزاج، ان کا رہنا سہنا۔ ان کے معاشرے کے ساتھ تعلقات، یہ سب مثالی ہوا کرتے تھے۔ اس لیے دوسرے لوگ ان کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ ورنہ اپنے جیسوں کی کوئی بات سننا گوارا نہیں کرتا۔

پھر تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں بھی حضور نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سالار قافلہ اور امام الانبیاء کی حیثیت حاصل ہے۔ تو جتنے کمال کسی انسان میں ہو سکتے ہیں، ہر وہ کمال جو انسانیت پا سکتی ہے، وہ تمام کر دیا گیا، آقائے نامدار محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات پہ۔ خواہ وہ حسنِ قامت ہو، خواہ وہ حسن سیرت ہو، خواہ وہ حسنِ صورت ہو۔ خواہ وہ بات علم کی ہو، عمل کی ہو، تعلقات کی ہو، تہذیب کی ہو، کسی پہلو سے کسی طرف سے آئیں تو ایک ایسی ہستی جس کا خود وجود اس کی نبوت پہ شاہد ہو۔ جس کا اٹھنا بیٹھنا، ملنا اور بات کرنا اس بات کا گواہ ہو کہ یہ اللہ کا نبی اور رسول ہے۔

قرآن کریم نے جہاں اور متعدد شہادتیں بیان فرمائی ہیں۔ آپؐ کی نبوت پہ آپؐ کے معجزات اللہ جل شانہٗ کی ذاتی گواہی اس سب کے ساتھ بہت بڑی دلیل خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اس عمر کو جو آپؐ نے اہلِ مکہ میں بسر فرمائی تھی ارشاد فرمایا کہ کیا میں نے تمہارے ساتھ عمر کا ایک حصہ بسر نہیں کیا۔

تو یہ جو دنیوی اندھاپن ہوتا ہے۔ جب آدمی محض مادی زندگی اور مادی راحتوں پہ فریفتہ ہو جاتا ہے۔ تو اللہ کریم فرماتے ہیں جس شخص کے معجزات دائمی اور ابدی ہیں۔

تمام انبیاءؑ کے معجزات وقتی تھے۔ اس لیے کہ ان کے شرائع ایک عمر لے کر آئے تھے ایک حد لے کر آئے تھے۔ یہ شریعتیں بعض دفعہ قوموں تک محدود تھیں، علاقوں تک محدود تھیں۔ افراد محدود تھے۔ پھر نئی شریعت آگئی۔ اسی طرح ان کے معجزات جو تھے ان کی بھی عمر ان کی شریعت کے مطابق تھی۔ اب ہمیں موسیٰ علیہ السلام کا عصا نہیں ملتا کہ ہم کہیں سے اٹھا لائیں۔ پتھر پہ ماریں اور پانی نکل آئے، دریا پہ ماریں اور وہ راستہ دے دے۔ وہ اسی وقت کیلئے تھا۔

لیکن آقائے نامدار صلے اللہ علیہ وسلم کے معجزات ابدی اور دائمی ہیں۔ چونکہ آپؐ کی

شریعت ہمیشہ کے لیے ہے۔ مثلاً ہر نبی کی کتاب معجزہ تھی۔ کیونکہ آسمانی صحیفہ تھا۔ لیکن ان کا جو وقت معین تھا اسی وقت کے لیے وہ قائم تھے۔ پھر وہ نہ رہے۔ حتیٰ کہ اب وہ اصل کتابیں ناپید ہیں، نہیں ملتیں۔ تحریف ہو چکی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ایک زندہ معجزہ دیکھ لیں کہ دنیا میں واحد کتاب ہے جسے کتاب اللہ کے طور پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں عطا فرمایا۔ جس سے صدیوں کی مسافت بھی کہیں سے چھیڑ نہیں سکی۔ کوئی زیر زبر لفظ کوئی شے اس میں سے تبدیل نہیں کر سکا۔ ورنہ دنیا میں کوئی کتاب اپنے متن کے ساتھ محفوظ نہیں رہتی۔ آپ چھوٹے چھوٹے رسائل اور کتابوں کو دیکھیں ان میں کتنی تبدیلیاں آگئیں۔ اصل نسخے نہیں ملتے۔ تو جس شخص کا اٹھنا بیٹھنا خود وجود مسعود ایک سراپا معجزہ ہو جس کی ذات بھی آپ دیکھتے ہیں اس سے بڑا معجزہ کیا ہوگا کہ پوری انسانیت تباہی کی طرف صرف رواں دواں نہیں تھی بلکہ سرپٹ دوڑ رہی تھی۔

جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے تو کہیں امن و آبرو کا نام نہیں تھا۔ حکومتیں تھیں، ممالک تھے، فوجیں تھیں۔ لیکن تباہی انسان کا مقدر بن چکی تھی۔ پوری دنیا جب ایک طرف بھاگ رہی تھی۔ کفر، شرک، ظلم جور کے اندھیروں میں اللہ کے ایک بندے نے اسے نہ صرف روکا بلکہ اسے پلٹ کر عظمتوں اور بلندیوں کی طرف رواں کر دیا۔ اس بات کا کہنا آسان ہے کرنا صرف محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا کام ہے۔ کہ ایک اکیلا شخص ایک ایسے دور میں جس میں کہ مادی سہولتیں نہیں ہیں۔ رسل و رسائل نہیں ہیں۔ کوئی ذرائع آمدورفت، کوئی مشین کوئی موٹر نہیں ہے۔ کوئی ریڈیو ٹیلیویژن۔ کوئی ذرائع ابلاغ نہیں ہیں ایک شخص کی بات دنیا پہ پھیل جائے۔ کوئی ایسا طریقہ نہیں ہے کوئی مادی قوت نہیں ہے۔ کوئی حکومت نہیں ہے۔ کوئی خزانہ نہیں ہے۔ کوئی مملکت نہیں ہے۔ کوئی بڑی فوج نہیں ہے۔

ایک شخص، اللہ کا ایک بندہ تن تنہا ایک ویرانے اور صحرا میں کھڑا ہو کر ساری انسانیت کو آواز دیتا ہے۔ اور حد یہ ہے کہ پوری انسانیت پلٹ کر اس راہ پہ چل نکلتی ہے۔

اتنے بڑے معجزات باہرہ اور قاہرہ دلائل دیکھ کر اس کے باوجود فرمایا۔ دنیا دار اتنا اندھا ہوتا ہے وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ

اُیات من ربہ ۔ اس سب کے باوجود پھر کافریہ کہتا ہے کہ اگر یہ اللہ کا برحق نبی ہے تو اس پر خدا کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نازل نہیں ہوتی۔

یعنی یہ مادی اندھاپن جو ہوتا ہے آپ دیکھتے ہیں اندھے پن کی قسمیں ہوتی ہیں۔ بعض لوگوں کو دن کو نظر آتا ہے ۔ جیسے سورج غروب ہوجائے انہیں کچھ دکھائی نہیں دیتا ۔ اسی طرح کافر یا دنیادار جو ہوتا ہے اسے جہاں سے دنیا ملتی ہو وہ دروازہ نظر آتا ہے ۔ جہاں کوئی دنیوی فائدہ یا لالچ نہ ہو اسے وہ بات، وہ شخص، وہ دروازہ، وہ گھر نظر ہی نہیں آتا ۔ حتے کہ وہ اتنا اندھا ہوتا ہے کہ اسے کمالات نبوی بھی نظر نہ آئیں۔

اور اس سب کے باوجود وہ کہنے لگا کہ اللہ کا رسول ہے تو پھر خدا کی طرف سے اس پر کوئی بہت بڑی دلیل یا نشانی نازل سے کیوں نہیں ہوتی۔

ایک ایک قدم کو دیکھیں ، مکے میں رہ کر نزولِ قرآن کی آیات کو من وعن پیش کرنا ایک اسی صورت کو دیکھ لیں کہ مکہ مکرمہ میں رہ کر یہ سورۃ سنا دینا

تبت یدا ابی لھب وتب ہ ما اغنی عنہ مالہ وما کسب ۔۔۔۔۔۔ نارا ۔۔۔۔۔ مسد

یہ کسی کی جرات نہ تھی بجز محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ۔ کہ ابی لہب کو جو رؤساء مکہ میں تھا ان الفاظ سے مخاطب کرتا ۔ اور پھر یہ الفاظ گلی گلی بچے بچے کی زبان پر پھیلے کوئی ایمان لایا یا نہ لایا یہ آیات سن کر اس نے ضرور دہرائیں اور ابولہب کو بھی جا کر بتایا کہ تیرے بارے آج یہ کہا گیا ہے ۔ تو کوئی اندازہ نہیں کرسکتا کہ کتنا طوفان بپا ہوا مکہ میں ۔ کتنی کوششیں کفر کی صرف ہوگئیں اس آواز کو ختم کرنے کے کیلئے ۔ صدیاں بیت گئیں ۔ بڑے بڑے کافر گذر گئے ۔ لیکن یہ آواز یہ آیات اپنی اصلی صورت میں اسی طرح گونج رہی ہیں ۔

حرمِ مکہ کے باہر کھڑا ہو کر اگر انسان دیکھے ، حیرت ہوتی ہے کہ اتنا بڑا معبد روئے زمین پر کسی مذہب اور کسی قوم کے پاس نہیں ہے ۔ اور جس آواز کو دبانے کے لیے سارے مشرکین مکہ نے پورا زور صرف کردیا بدستور اس دن سے لے کر آج تک فضا میں اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ ، بلندی کے ساتھ گونجتی ہے ۔ ——

" اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ ۔

اُن کے آثار مٹ گئے ، نشان مٹ گئے ، مکان

چلے گئے۔ امارت گئی ریاست گئی۔ کفر ٹمٹماتا ہوا مٹ گیا۔ حتے کہ کفار کا داخلہ ہی رب کریم نے اس شہر میں منع فرما دیا۔ لیکن وہ آواز بدستور آج بھی اسی طرح گونج رہی ہے۔

آپ اسی بات سے اندازہ کر لیں کہ چند خستہ حال اور بے سروسامان لوگ جو اللہ پر ایمان لائے، اہلِ مکہ کی سختیوں سے جب ان پر ظلم وجور کی انتہا ہوگئی تو اللہ نے انہیں ہجرت کا حکم دے دیا کہ مہاجر بنے ہوئے چھپ چھپ کر گھروں سے نکل رہے ہیں۔ عجیب بات تو یہ ہے کہ شہر سے نکلنا اور شہر چھوڑ کر کہیں اور جانا وہ ان کے لیے مشکل ہے۔ کافر اس کی اجازت نہیں دیتے۔

انہیں کو جب حکم ہوتا ہے کہ اب تمہارے لیے اجازت ہے۔ اذن کہ کفار کے ساتھ مقابلہ کرو۔ تو اسی بے سروسامانی کی حالت میں مدینہ سے نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ نہ اسلحہ ہے نہ سواریاں ہیں نہ تعداد ہے۔ اور نہ افرادی قوت ہے۔ اور اہلِ مکہ اپنی ایک چنی ہوئی فوج لے کر چنے ہوئے بہادر جانباز اور جوان لے کر بدر میں آتے ہیں تو وہ بے سروسامان ان کے پرخچے اڑا دیتے ہیں اس سے بڑا معجزہ دنیا میں کہیں نظر آتا ہے؟

یہ ساری باتیں دیکھ کر سارے عرب کا کفر اٹھ کر آجاتا ہے۔ اور اڑتالیس چالیس دن ٹکریں مار مار کر۔ چھوٹی سی بستی ہے مدینہ منورہ کی جس میں نہ رسد ہے نہ اسلحہ ہے اور نہ کافی فوج ہے۔ اڑھائی تین ہزار کی آبادی ہے۔ اور یہود بھی کوشش کرتے ہیں تمام تر اور سارے مشرکین عرب بھی کوشش کرتے ہیں۔ اور ڈیڑھ مہینے تک طویل محاصرہ کھینچ کھینچ کر ذلیل ہو کر خوار ہو کر واپس چلے جاتے ہیں۔ کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔

ان سب باتوں کو دیکھنے کے بعد کافر کہتا ہے کہ خدا اس پر کوئی نشانی نازل کیوں نہیں کرتا۔ یعنی وہ حقائق جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے ان کو پانے کے لیے سب سے پہلے آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی معرفت ضروری ہے۔ جب تک آپ صلے اللہ علیہ وسلم ہی کو نہ سمجھ سکا تو آپ کے ارشادات کو کب سمجھے گا۔

اللہ کریم فرماتے ہیں میرے حبیب ان سے کہہ دے کہ اس میں تمہارا قصور نہیں ہے۔ تمہارا قصور اور ہے اور وہ ہے انابت الٰہی کا نہ ہونا۔ اصل خطا جو ہے وہ اس جگہ ہے کہ تمہارے دلوں میں انابت الٰہی ہے ہی نہیں۔ اور خدا کا قاعدہ یہ ہے، قل ان اللہ یضل من یشاء ویھدی

لمن من اناب : اللہ کریم سے جسے چاہے ہدایت سے دور رکھے۔ اور ہدایت تو وہ دیتا اسی کو ہے جس کے دل میں انابت آجائے یعنی تمنا ہدایت کی اور خواہش ہدایت کی اور آرزو پیدا کرنا یہ انسان کا کام ہے کہ اس کے دل میں طلب پیدا ہوجائے اور اس کو ہدایت نصیب کرنا یہ اللہ کا کام ہے۔

ہوتا یہ ہے کہ کسی کے دل میں طلب پیدا ہوجائے تو اللہ کریم اسے ایسے لوگوں کے پاس پہنچا دیتا ہے جو اللہ کے بندے ہوتے ہیں، جو اللہ کا راستہ بتاتے ہیں۔

اور یہ جو ہم شکوہ کرتے ہیں نا کہاں جائیں دنیا میں ہر بھیس میں ٹھگ ہیں، پیروں کے بھیس میں بھی ٹھگ ہیں۔ علماء کے بھیس میں بھی ٹھگ ہیں تو کوئی انسان کہاں جائے تو یہ شکوہ بے جا ہے۔ جب لوگوں نے خدا ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرلیا۔ نبی ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرلیا تو ولایت تو اس کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اگر کوئی ولایت کا جھوٹا دعویٰ کرتا ہے تو اس پر تعجب کی کیا بات ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہم کیوں جھوٹوں کے پاس جاتے ہیں۔ اس لیے کہ ہمارے دل میں بھی طلب صادق نہیں ہوتی جہاں طلب صادق ہو۔ جہاں انابت ہو اسے ہدایت نصیب کرنا یہ اللہ کا کام ہے۔ اور جہاں خلوص نہیں ہوگا تو وہ اگر کسی اہل اللہ کے پاس پہنچا بھی، بیٹھا بھی، رہا بھی۔ تو ہمیشہ کے لیے نہیں رہ سکتا۔ چونکہ انسان کی طرف سے صرف اور صرف ایک ہی سرمایہ لگتا ہے۔ جیسے آپ دکان پر جائیں تو دکان دار کے پاس تو بے شمار اشیاء ہوتی ہیں لیکن خریدار اور گاہک کے پاس صرف روپیہ ہوتا ہے، اسی روپے میں کپڑا بھی خرید سکتا ہے، اسی روپے سے جوتے بھی خرید سکتا ہے، عینکیں بھی خرید سکتا ہے، اسی ایک روپے سے۔ اس کے پاس صرف ایک جنس ہوتی ہے گاہک کے پاس۔ ایسے ہی اس دنیا کے بازار میں ہمارے پاس سرمایہ ہے، ہماری طلب اور انابت۔ کوئی خالی ہاتھ جائے تو اسے کیا ملتا ہے ! کچھ نہیں ملتا۔ جب انابت ہی نہ ہوگی تو اسے کچھ نہ ملے گا دھکے ہی کھائے گا۔ دھوکا بازوں کے پاس ہی جائے گا۔ جھوٹا دعویٰ کرنے والے تو دھوکا باز ہیں ہی۔ جو لوگ ان کے پاس عمر بھر ذلیل ہوتے رہتے ہیں وہ بھی مخلص نہیں ہیں۔ جہاں بھی خلوص ہوگا اسے خداوند عالم ضائع نہیں فرماتے۔ بلکہ یہ وعدہ ہے،

ویہدی الیہ من اناب۔

جہاں انابت ہو اسے اللہ کریم ہدایت فرماتے ہیں۔ اور جب ہدایت فرما دیتے ہیں تو ہدایت یافتہ لوگ کون ہوتے ہیں؟

الذین امنو و تطمئن القلوبھم بذکر اللہ۔

جنہیں یقین کامل نصیب ہو جائے گا ہدایت یافتہ وہ لوگ ہوتے ہیں۔

ایمان کیا ہے؟ ٹھوس اور مستحکم یقین، جس میں ریب کی کوئی دراڑ نہ ہو۔ جس میں شک اور شبے کی کوئی گنجائش نہ ہو اور وہ یقین جو دل میں اللہ کی یاد پیدا کر دے۔

ذات باری کو عرش میں، آسمانوں میں جنگلوں میں صحراؤں میں تلاش نہ کرنا پڑے بلکہ ہر لمحہ، ہر آن اس کی تجلیات کو اپنے سینے میں، اپنے گوشہ دل میں موجود پائے اس کا نام ایمان ہے۔

فرمایا وہ لوگ جنہیں ہدایت نصیب ہوتی ہے وہ ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ انہیں ایمان کامل، پورا الیقین کامل اعتماد حاصل ہوتا ہے۔ اور ان کے دل میں اللہ رچ بس جاتا ہے،

تطمئن القلوبھم بذکر اللہ۔

ذکر نسیان کی ضد ہے، بھولنے کی ضد ہے یعنی یاد ایسی یاد کہ ہر دھڑکن میں اللہ کی یاد رچی بسی ہو۔ اور اس یاد کے ساتھ ان کے دل مطمئن ہوں اور پھر فرمایا یہ قانون بھی یاد رکھیں۔

الا خوب کان کھول کر بذکر اللہ تطمئن القلوب، ہمیشہ دل مطمئن ہوتا ہی اللہ کی یاد سے ہے۔

اطمینان قلب کا کوئی دوسرا نسخہ رب کریم نے بنایا ہی نہیں۔ جس طرح پانی پینے سے پیاس مرتی ہے۔ کھانا کھانے سے بھوک مرتی ہے اسی طرح جب اللہ کی یاد دل میں آجائے تو دل کو قرار آتا ہے۔ ورنہ ساری عمر دولت بھی ہو شہرت بھی ہو حکومت بھی ہو انسان کا دل کانٹوں پہ لوٹتا رہتا ہے۔ کبھی دل مطمئن نہیں ہوتا۔ آپ کسی کو بھی دیکھ لیں سوائے اہل اللہ کے دنیا میں کوئی شخص مطمئن نظر نہیں آتا۔

پرسوں کتاب الشکر دیکھ رہا تھا ابن ابی دنیا کا عجیب واقعہ انہوں نے لکھا ہے۔ میں نے ساتھیوں کو بھی سنایا ہے کہ ایک شخص گذرا۔ بستی کے باہر کوئی شخص بیٹھا تھا۔ اس کے پاس لباس نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ لنگوٹی سی پہن رکھی تھی۔ جب لباس ہی نہیں تھا تو گھر گھاٹ کا ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔ اور اس سب کے ساتھ اسے جذام کا مرض بھی تھا۔ کوڑھ کے زخم رس رہے تھے وجود پہ، اور بیٹھا ہوا وظیفہ کر رہا تھا۔ الحمد للہ استغفر اللہ۔ الحمد للہ، استغفر اللہ یہ پڑھ رہا تھا۔ تو وہ شخص اس کے پاس رک گیا۔ اسے کہنے

لگا تیرے پاس صحت سے لے کر مال تک مجھے کوئی شے نظر نہیں آتی ، تو کس بات پر الحمد للہ الحمد للہ پڑھ رہا ہے وہ کہنے لگا اس آبادی کی طرف دیکھ تجھے کوئی اور ایسا شخص نظر آتا ہے جو اللہ کو یاد کر رہا ہو؟ ان سب کو چھوڑ کر جب اس نے میرے دل کو اپنی یاد سے آباد کر دیا ہے تو اور کیا چاہیئے کتنی بڑی دولت دی ہے اس نے مجھے کہ اتنی مخلوق میں سے مجھے توفیق عطا کر دی ہے۔ میرے دل کو اپنی یاد سے آباد کر دیا ہے تو اور دنیا تو سب چند روز کا کھیل ہے۔ بیماری بھی عارضی ہے۔ جن کے پاس صحت ہے وہ بھی لمحاتی بات ہے۔ یہ بیت جائے گی۔ لیکن جو نور جو بات، جو لذت اس نے میرے دل میں بھر دی ہے۔ اسے قیامت تک کوئی زلزلہ بھی نہیں مٹا سکتا۔

تو فرمایا یاد رکھیے! ہمیشہ دنیا میں اطمینان دل کو اگر نصیب ہوگا تو اللہ کی یاد سے اور وہ لوگ الذین آمنوا وعملوا الصّٰلحٰت ،

جنہیں یاد الہٰی نصیب ہو انہیں ایمان کامل اور عمل صالح نصیب ہوتا ہے یہ اس کی دلیل ہے۔ اس کے ساتھ لازم و ملزوم ہے۔

اگر کوئی کہتا ہے میرا دل ذاکر ہے اور اتباع شریعت نہیں کرتا تو جھوٹ بولتا ہے۔ فرمایا قلب ذاکر کی خصوصیت ہے کہ وہ حضورؐ کی اتباع کے بغیر رہ نہیں سکتا۔ اس کی ضرورت بن جاتی ہے اور ایسے لوگوں کے لیے اللہ کریم فرماتے ہیں طوبیٰ لھم وحسن مآب۔ مبارک ہو ایسے لوگوں کی زندگی بھی، موت بھی، مابعد الموت بھی اور بہترین انجام انہیں لوگوں کے لیے ہے۔

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

چراغِ مصطفوی

حافظ عبدالرزاق

عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یؤمن احدکم حتیٰ یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت انسؓ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لیے وہی نہ چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے۔

تشریح:- ایمان نام ہے اس یقین کامل کا جو دل کی گہرائیوں میں پیوست ہو چکا ہو۔ یہ یقین کامل اُن اَن دیکھی حقیقتوں کے متعلق ہو جو انسان کی عملی زندگی کے لیے ایک ٹھوس بنیاد اور محرک کی حیثیت رکھتی ہیں۔

اور یقین صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر کامل اعتقاد کی وجہ سے دل میں گھر کر جائے۔

یوں تو انسان معلومات کے سلسلے میں حواسِ خمسہ پر بھروسہ کرتا ہے اور انہیں کو یقینی سمجھتا ہے مگر اس ماننے کو ایمان نہیں کہتے۔ اصطلاحِ شریعت میں ایمان۔ اس ماننے اور یقین کرنے کو کہتے ہیں جو صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتانے پر دل کی گہرائیوں میں جڑ پکڑ لے اور یہ یقین اتنا پختہ ہو کہ حواسِ خمسہ سے جو معلومات حاصل ہوں ان میں شک ہو سکے۔ مگر اس میں کوئی کسی درجہ میں بھی شک وشبہ کی گنجائش نہ ہو۔ سچ کہا ایک ایسے ہی ایماندار نے کہ لو کشف الغطاء ما ازددت یقینا۔ یعنی وہ ان دیکھی حقیقتیں جو محسن کائنات نے بتائیں اگر انکے اور میری بصارت کے تمام پردے ہٹا دیئے جائیں تب بھی میرے یقین میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔ اس لیے احادیث میں جہاں کہیں لا یؤمن احدکم

سے بات شروع کی جاتی ہے اس سے یہ سبق دینا مقصود ہوتا ہے کہ جب تک حضور اکرمؐ کی ذات پر آپؐ کی بات پر کامل یقین نہیں ہوگا، اعتماد نہیں ہوگا انسان ایک تو ایمان کی حلاوت سے محروم رہے گا دوسرے وہ حضور اکرمؐ کے ارشاد کو پلے باندھ لینے پر شوق سے آمادہ نہیں ہو سکے گا۔ اور جب تک یہ نہ ہوگا اس کا سارا عمل محض ضابطے کی کارروائی ہوگی۔ اور وہ تعمیل اور اطاعت محض جسدِ بے روح ہوگی۔

اس حدیث میں اس تمہید کے مابعد جو بات فرمائی گئی ہے وہ ایک خالص انسانی نفسیات کا مسئلہ ہے۔ زندگی میں حرکت اور عمل کی بنیاد صرف محبت کا جذبہ ہے۔ وہ محبت خواہ اقتدار کی ہو، نام و نمود کی ہو، مال و دولت کی ہو یا حصولِ لذت کی ہو ہر کام کے لیے محبت ہی اصل محرک ہوگی۔ پھر اس محبت کے رُخ مختلف ہو سکتے ہیں۔ بیوی بچوں سے محبت اقرباء سے محبت، دوست احباب سے محبت اپنی ذات سے محبت وغیرہ اور ان سب محبتوں میں سب سے غالب اپنی ذات سے محبت ہوتی ہے یہ اگر جائز حدود سے بڑھ جائے تو اسے خود غرضی یا مطلب پرستی کہا جاتا ہے۔ اور اگر اپنی ذات اور دوسروں سے محبت میں مطلوبہ تناسب اور اعتدال پایا جائے تو اسے ایثار کہتے ہیں۔

اور جس محبت سے انسان میں ایثار کا وصف پیدا ہو جائے وہ اس کی ذات کی تکمیل کا باعث بنتی ہے۔

حضور اکرمؐ نے صحابہ کرامؓ کی تربیت جس انداز سے کی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں محبت کا جذبہ اس متوازن اور متناسب انداز میں پیدا ہو گیا کہ خود اللہ کریم نے ان کو اپنی رضا کی سند دیتے ہوئے اس وصف کو نمایاں طور پر بیان فرمایا۔ ارشاد ہے ویؤثرون علیٰ انفسهم ولو كان بهم خصاصة یعنی ان میں اس درجے کا ایثار پایا جاتا ہے کہ وہ اپنے آرام کے مقابلے میں دوسروں کی ضرورتوں کو ترجیح دیتے ہیں۔

علمائے اخلاق اور ماہرین نفسیات نے اخلاق عالیہ اور امن و سکون کی زندگی کے لیے ایک معاشرتی اصول یہ پیش کیا ہے کہ انسان جب کسی سے کوئی سلوک کرنے لگے تو اپنے آپ کو اس کی جگہ پر رکھ کر دیکھ لے صحیح فیصلہ پر پہنچے گا۔ یعنی یہ فرض کر لے کہ اگر اس کی جگہ میں ہوں اور میرے ساتھ کوئی دوسرا شخص یہ سلوک کرے جو میں اس کے ساتھ کرنا چاہتا ہوں تو کیا مجھے وہ سلوک پسند ہوگا یا ناپسند۔ اگر جواب یہ ملے کہ مجھے تو ایسا سلوک ناپسند ہوگا تو اس سے باز آ جائے۔ باہمی اتحاد، امن و سکون بلکہ باہمی محبت کا راز اسی ایک اصول میں پوشیدہ ہے۔ اور یہی ایک اصول

معاشرے کے امن و سکون کا ضامن ہے۔

علمائے اخلاق اور ماہرین نفسیات نے یہ سبق کہاں سے سیکھا؟ کوئی تسلیم کرے یا نہ کرے یہ صرف مدرسۂ محمدی کا فیضِ عام ہے۔ محسنِ کائنات نے ہی یہ سنہری اصول سکھایا۔ کہ ایمان کی حلاوت یعنی میری ذات کے ساتھ قلبی تعلّق سرور اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک تو میری بات پر کامل اعتماد کر کے دوسرے انسانوں کے ساتھ وہی سلوک کرنا پسند نہ کرے جو تمہیں اپنی ذات کے ساتھ پسند ہے۔ یہ ہے باہمی اتحاد، محبت، اتفاق اور اخوت کی بنیاد۔ مگر عجیب المیہ ہے کہ آج بھائی بھائی کے نعرے اور اتحاد کی کوششیں تو ہو رہی ہیں اور اس حقیقت کی طرف کسی کی نگاہ نہیں اٹھتی کہ جہاں دلوں میں نفرت ہو وہاں اتحاد پیدا ہو تو کیسے؟ بھائی چارے کی کیفیت نظر آئے تو کیونکر؟

مدحتِ گفتار کو سمجھو نہ اخلاقی سند
خوب کہنا اور ہے اور خوب ہونا اور ہے!

کاش کہ مسلمان اپنے محسن بلکہ محسنِ کائنات سے وفا کرنا سیکھ جاتے۔

افہام و تفہیم

حافظ عبدالرزاق

سوال:۔

آپ نے نومبر کے "المرشد" میں لکھا ہے کہ جہاں اسلام ہے وہاں فرقہ نہیں۔ جہاں فرقہ ہے وہاں اسلام نہیں۔ بات بڑی خوشنما معلوم ہوتی ہے۔ مگر چودہ صدیوں میں اس سے بالکل بات کہی جاتی رہی ہے۔ کیا آپ نے "مسلمہ اسلامی فرقے" کی ترکیب یا اصطلاح کبھی نہیں سُنی؟ اور ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت سے حضور اکرمؐ کی یہ حدیث آپ کی نگاہ سے نہیں گذری جس میں حضورؐ نے فرمایا کہ "بنی اسرائیل ۷۲ فرقوں میں بٹ گئے اور میری اُمّت ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی۔"

اگر آپکی بات صحیح ہے تو اس حدیث کا مطلب کیا ہے اور آپکے اس دعویٰ کی بنیاد قرآن کریم کی کس آیت یا حضور اکرمؐ کی کس حدیث پر ہے؟

الجواب:۔

میرے محترم! میں نے کوئی دعویٰ کیا ہی نہیں کہ اس کے ثبوت کے لیے قرآن و حدیث

سے کوئی دلیل پیش کر کے آپ کا مطالبہ پورا کروں ہاں قرآن و حدیث کے مطالعہ سے جو کچھ میں سمجھ سکا ہوں اس حقیقت کا اظہار کر دیا ہے۔

سچ کہا اکبر نے ؎

غلط فہمی بہت ہے عالمِ الفاظ میں اکبرؔ
بڑی مایوسیوں کے بعد آخر کام چلتا ہے

میں نے جو کچھ کہا ہے وہ اسی حدیث کی بنا پر کہا ہے جس کا حوالہ آپ نے دیا ہے۔ آپ کو جو اشکال پیدا ہُوا وہ اس حدیث کے اتنے حصے پر رُک جانے کی وجہ سے پیدا ہُوا جو آپ نے بیان فرمایا۔ اگر آپ حدیث کے باقی حصے پر غور فرماتے تو غالباً آپ کو میرے بیان کی صداقت اور حقانیت پر ہرگز شبہ نہ ہوتا۔

اب ذرا غور فرمایئے، حضور اکرمؐ نے ۷۳ فرقوں کا ذکر فرما کر آگے ارشاد فرمایا:

کلھم فی النار الا امۃ واحدۃ۔ اب ذرا "کلھم فی النار" کے جملہ پر غور فرمایئے۔ یہ تو آپ جانتے ہوں گے کہ علمائے امت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ نجات کا مدار ایمان پر ہے۔ ہاں درجات کا انحصار عمل پر ہے۔ مگر ایمان کے بغیر جو عمل بھی ہوگا وہ درجات کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔ کیونکہ جہاں ایمان نہیں وہاں کفر ہے اور کفر سے درجات نہیں بلکہ درکات ہی حاصل ہوتے ہیں۔

تو کلھم فی النار کا مطلب یہ ہوا کہ سب ناری ہیں، غیر ناجی ہیں۔ مگر جب حضور اکرمؐ نے الامۃ واحدۃ کہہ کر جو ایک کو مستثنیٰ فرمایا تو صحابہ کرامؓ نے اس ایک کی وضاحت کی درخواست کی تو حضور اکرمؐ نے فرمایا اس ایک کی خصوصیت یا علامت یا تعریف یہ ہے کہ ما انا علیہ واصحابی۔ یعنی ایک ہی ناجی ہے، جب ناجی ایک ہے تو غیر ناجی فرقے اسلام کے فرقے کیونکر قرار پائے۔ اسلام تو نجات کا ضامن ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اسلام بھی ہو اور ناری بھی ہو۔ پس جو ناری ہے وہ اسلامی فرقہ کیسے قرار دیا جا سکتا ہے ــــ رہی یہ بات کہ حضور اکرمؐ کے ان الفاظ کا کیا مطلب ہوگا کہ میری امت ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی.... تو اس سے صاف مطلب یہ ہے وہ فرقے زبان سے دعویٰ بھی کریں گے کہ ہم حضورؐ کی امّت ہیں، کیسے ہو سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب وہ ما انا علیہ واصحابی سے ہٹ گئے تو امّت سے خارج ہو گئے۔

ان دعوے کے حوالے سے دیکھا جائے تو وہ امت کے فرقے ہوں گے۔ مگر حقیقت دیکھی جائے تو وہ سب کفر کے فرقے ہیں جو امت سے خارج ہونے کے بعد وجود میں آئے۔

حضور اکرمؐ کا یہ فرمان کہ ما انا علیہ واصحابی سامنے رکھیں اور قرآن کریم کی اس آیت پر غور فرمائیں

والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار
والذين اتبعوهم باحسان رضي الله عنهم
ورضوا عنه واعدلهم جنت تجري
تحتها الانهار خلدين فيها ابدًا
ذالك الفوز العظيم (۹ : ۱۰۰)

(اور جو مہاجرین و انصار (ایمان لانے میں سب سے) سابق اور مقدم ہیں اور (بقیہ امت میں) جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس (اللہ) پر راضی ہوئے۔ اور اللہ تعالےٰ نے ان کیلئے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

معلوم ہوا کہ اسلام میں یہی ایک فرقہ ہے جس کو حضور اکرمؐ نے ما انا علیہ واصحابی فرمایا۔ اور قرآن کریم نے ان کی صفت یہ بیان فرمائی کہ جو خلوص قلب سے سابقون الاولون کے متبع ہیں یہی ایک اسلامی فرقہ ہے۔ اس سے ہٹ کے باقی سب فرقے کفر کے فرقے ہیں اسلام کے نہیں۔ ان میں جزوی اختلاف کے باوجود ایک قدر مشترک پائی جاتی ہے اور وہ ہے کفر۔ رہا سوال مسلم اسلامی فرقے کی اصطلاح یا ترکیب کا تو یہ اتنا بڑا مغالطہ ہے کہ شاید اس سے بڑھ کر قرآن و حدیث سے مذاق کرنے کیلئے کوئی عنوان تیار نہیں کیا گیا۔ بلکہ یہ مغالطہ ہی نہیں خدا فریبی بھی ہے اور خود فریبی بھی۔ لہذا مجھے یہ کہنے میں باک نہیں کیونکہ یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے "کہ جہاں اسلام ہے وہاں فرقہ نہیں اور جہاں فرقہ ہے وہاں اسلام نہیں۔

؎ باطل دوئی پسند حق لا شریک ہے
شرکت میانہ حق و باطل نہ کر قبول

ضلعی ماہانہ اجتماعات

ملتان	پہلا جمعۃ المبارک	۳ تا ۵ بجے شام	مسجد حضرت مولانا عبدالستار تونسوی۔ نواں شہر
مردان	آخری جمعہ	صبح ۸ بجے	بی ڈویژن مسجد مردان۔
سیالکوٹ	پہلا جمعہ	صبح ۱۰ بجے	کچہری مسجد بالمقابل ایس پی آفس۔ سیالکوٹ
وہاڑی	دوسرا جمعۃ المبارک	بعد از نماز جمعہ	مسجد مولوی غوث محمد والی۔ الیف بلاک وہاڑی۔
چکوال	دوسرا جمعہ	—	مسجد حافظ غلام جیلانی صاحب سرگوجرہ "تلاگنگ روڈ چکوال
واہ چھاؤنی	پہلی جمعرات	—	مرکز حلقہ ذکر۔

نبوت حقیقی شرف انسانی ہے

حضرت مولانا محمد اکرم صاحب مدظلہ العالی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ جل شانہٗ کی تمام تر تخلیقات میں انسان کو ایک خاص شرف اور ایک خاص رتبہ حاصل ہے۔ اس کے حقیقی شرف کا باعث نبوت ہے۔ جو ساری تخلیق میں صرف انسانوں کو عطا فرمائی ہے نبوت صرف پیغام رسانی نہیں ہے جیسا عمومی طور پر یہ سمجھ لیا گیا ہے۔ اور خصوصاً اس دور میں کہ نبوت محض اتنا سا کام ہے اللہ کریم سے بات لے کر لوگوں تک پہنچا دی اور بس۔

اللہ جل شانہٗ سے بات کرنے کے لیے، کلامِ باری کو سننے کے لیے، کلامِ باری کو سمجھنے کے لیے ایک خاص قوت کی ضرورت ہے جو ہر انسان میں نہیں ہو سکتی اور کسی حیلے، کسی طریقے، کسی علم، کسی مجاہدے سے حاصل نہیں کی جا سکتی۔ وہ قوت محض عطائے الٰہی ہوتی ہے اور انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وہبی طور پر عطا کی جاتی ہے۔ اس لیے نبوت محض پیغام رسانی نہیں بلکہ ایک ایسی عظمت ہے جو غیر نبی کسی طریقے سے حاصل نہیں کر سکتا۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو یہ طاقت اور یہ قوت جو ان کی آنکھوں کو وہ قوت دیتی ہے کہ وہ جمالِ باری کو دیکھ سکیں اور صفات باری کو پہچان سکیں۔ جو ان کے قلب کو وہ قوت دیتی ہے کہ حقائق الٰہیہ کو وہ پا سکیں۔ منشائے باری کو وہ سمجھ سکیں اور کلامِ باری کو سن سکیں اور سمجھ بھی سکیں۔ تو انسانیت کے شرف کا سبب یہی عظمت ہے کہ ساری مخلوق میں یہ انسانوں کو عطا کی گئی۔

جب نبی اپنا پیغام دنیا میں پہنچاتا ہے تو نبی کا پیغام بھی محض ایک بات نہیں ہوتی سائنسدان جو ایک بات دوسروں تک پہنچاتا ہے، وہ محض ایک بات ہوتی ہے۔ کیمیادان جو عقدہ

کشائی کرتا ہے وہ محض ایک بات ہوتی ہے۔ کسی دوسرے فن کا ماہر طبیب ہو یا کوئی موجد ہو جو بات پیش کرتا ہے وہ محض ایک بات ہوتی ہے۔ لیکن نبی جو بات ارشاد فرماتا ہے اس کے ساتھ ایک حال ہوتا ہے اور نبی کی بات کو قبول کرنے والے شخص پر وہ حال وارد ہو جاتا ہے ایک کیفیت وارد ہوتی ہے جو اس کے باطن کو اس کی ضمیر کو، اس کی سوچ کو تبدیل کر دیتی ہے اور ایک خاص استعداد کار انسان کے وجود میں پیدا ہو جاتی ہے۔

آپ نے دیکھا نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم جب مبعوث ہوئے تو روئے زمین پر بسنے والے سارے لوگ تباہی کی طرف جا رہے تھے؛ کوئی اخلاقی معیار نہیں تھا۔ کوئی انسانی اقدار نہیں تھیں۔ لیکن جس شخص کو بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان نصیب ہوا فوراً اس کی حالت بدل گئی۔ یعنی نبی رحمت صلے اللہ کے ارشادات محض الفاظ یا محض بات نہیں ہے۔ بلکہ ان کے ساتھ ایک حال تھا جو قبول کرنے والے افراد پر پوری قوت سے وارد ہوا۔ اور صرف جسم یا کھال، گوشت، پوست یا حلیہ وہ رہ گیا باقی سب کچھ بدل گیا، پورے کا پورا انسان بدل گیا۔ اس کی سوچ، اس کی تمنا، اس کی آرزو تک بدل گئی۔ اب اس حال کو قبول کرنے کے لیے رب جلیل نے ہر پیدا ہونے والے کو انسان میں ایک استعداد رکھی ہے۔ اسی لیے ارشاد ہوا ہے:۔

كل مولود يولد على فطرة

ہر پیدا ہونے والا فطرۃ پر پیدا ہوتا ہے۔ وہ استعداد لے کر پیدا ہوتا ہے جو قبولِ ایمان کے لیے نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ارشادات اور حالات کو قبول کرنے کے لیے وجود میں ہونا چاہیئے وہ استعداد لے کر پیدا ہوتا ہے۔

پھر اس کے بعد ثم ابواه يهودانه او ...... ينصرانه اوكما قال رسول الله صلے اللہ علیہ وسلم کہ پھر معاشرہ اور معاشرے کے افراد یا اس کے والدین یا جن میں وہ تربیت حاصل کرتا ہے وہ اسے گمراہ کر دینے کا سبب بن جاتے ہیں۔ یعنی وہ استعداد جو اس غرض سے تھی کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو قبول کرتا اس استعداد کو غلط راستے پر ڈال کر دوسروں کی باتیں اس کے ذہن میں اس کے دل میں ڈال دی جاتی ہیں۔ جو اس کی گمراہی کا سبب بنتی ہیں۔ یہ قوت جو ہر انسان میں پیدا کی گئی ہے فطری طور پر اس کے تین درجے ہیں...... پہلا تو یہ ہے کہ

انسان اگر مجاہدہ کرے، خاص قسم کی ورزشیں کرے جن سے ان کی قوتِ متخیلہ ایک مقام پر مرتکز ہونے کی عادت پیدا کرے اور وہ جہاں بھی اپنی قوتِ متخیلہ کو ایک مقام پر یا ایک نقطے پر یا ایک بات پر جمع کرنا چاہے تو پوری یکسوئی حاصل ہو جائے۔ تو یہ مخفی قوتیں اس کے وجود میں بعض عجائبات پیدا کر دیتی ہیں۔ اس راز کو جن لوگوں نے سمجھا اور پایا انہوں نے اس کے حصول کے مختلف طریقے اور مختلف مشقیں ایجاد کیں جن میں کسی کا نام ٹیلی پیتھی ہے، کسی کا نام مسمریزم ہے۔ کسی کو یوگا کہتے ہیں۔ یہ ساری مشقیں جو ہیں، حقیقتاً اس قوت کو جو ہر انسان فطری طور پر لے کر پیدا ہوتا ہے۔ اس کو یکجا کر کے اس کے طفیل عجائبات کے اظہار کے لیے ہے اور ان کے لیے نہ مومن ہونا شرط ہے اور نہ کافر ہونا ضروری ہے۔ محض انسان جس میں مومن بھی شامل ہے اور کافر بھی شامل ہے دونوں ہی اگر یہ مشقیں شروع کر دیں جس کے مختلف طریقے ہیں۔ کوئی شخص ایک نقطہ لگا کر اسے مسلسل دیکھنا شروع کر دیتا ہے۔ کوئی موم بتی یا لائٹ جلا کر اس کی طرف دیکھنا شروع کر دیتا ہے۔ اور پھر اس مشق کو اتنا پختہ تر لے جاتے ہیں کہ وہ گھنٹوں بغیر پلک جھپکائے سورج کو بھی گھورتے رہتے ہیں تو جتنی جتنی یہ قوت پیدا ہوتی چلی جائے اتنی اتنی اس کی قوتِ متخیلہ مضبوط ہوتی چلی جاتی ہے جس کے طفیل بعض عجیب چیزیں جو اس سے ظہور پذیر ہوتی ہیں یہ ہوتی ہیں کہ دنیا میں وقوع پذیر ہونے والا کسی دور کا واقعہ وہ یہاں بیٹھ کر مشاہدہ کر لیتا ہے۔ کسی آنے والے شخص کے دل یا دماغ کو پڑھ کر اس کے خیالات کو چرا لیتا ہے۔ اکثر اوقات اپنے اپنے خیالات دوسروں پر مسلط کر دیتا ہے۔ اور دوسرا غیر شعوری طور پر بغیر سوچے سمجھے وہ کام کرتا چلا جاتا ہے۔ جو یہ شخص اس سے کروانا چاہتا ہے۔ بغیر بات کیے۔ بغیر بولے چالے۔ بغیر اسے کچھ کہے تو یہ طاقت بھلائی پر بھی استعمال کی جا سکتی ہے۔ اور برائی پر بھی استعمال کی جا سکتی ہے۔ اس کا مدار اس شخص پر ہوتا ہے جو یہ قوت حاصل کر لیتا ہے اور اس کے لیے کسی خاص نظریے یا عقیدے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

ایک طریقہ ان مخفی علوم کو بروئے کار لانے کا اور ہے اور اس کے لیے کافر ہی ہونا پڑتا ہے۔ بغیر کفر کے وہ حاصل نہیں ہوتا۔ اسے اصطلاحاً سفلی علوم یا

کالا علم کہتے ہیں۔ اس کا قاعدہ یہ ہوتا ہے کہ کوئی بھی انسان جب کفر اور برائی کی طرف چلتا ہے تو شیطان کے ساتھ اسے ایک گونہ نسبت ہو جاتی ہے۔ پھر بعض لوگ اس میں ایک مہارت حاصل کرتے ہیں۔ بعض کفریہ کلمات پڑھ کر اور بعض قبیح حرکات کر کے کبھی انسانوں کو ذبح کر کے ان کی قربانی دیتے ہیں۔ کبھی مُردوں کو نکال کر ان کا گوشت کھاتے ہیں۔ اس طرح کی قباحتیں کر کے اور شیطانی کلمات کا ورد کر کے شیطان کے ساتھ ایک خاص قسم کا تعلق اور نسبت پیدا کر لیتے ہیں۔ وہ طاقت جو اللہ نے دی تھی، اپنے نبی یا رسولوں کے ساتھ نسبت پیدا کرنے کے لیے اس کا غلط استعمال یہ ہوتا ہے کہ وہ شیطان کے ساتھ تعلق پیدا کرنے میں صرف کی جاتی ہے، قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے،

اِن الشیاطین لیوحون الیٰ اولیاءھم۔

کہ شیاطین اپنے دوستوں کے ساتھ باتیں کرتے ہیں، انہیں باتیں بتاتے ہیں۔ ان کی باتیں سنتے ہیں۔ یعنی اتنا قریب تر ہو جاتے ہیں کہ وہ ان کے ہم مجلس، ہم نشین بن جاتے ہیں۔ وہ شخص یہ سمجھتا ہے کہ ان شیاطین کو یا ان جنوں کو میں نے مسخر کر رکھا ہے۔ لیکن نتیجہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔ دراصل شیاطین نے اس شخص کو اپنا آلہ کار بنا رکھا ہوتا ہے اور اس کے ذریعے سے انسانیت میں برائیاں پھیلاتے ہیں۔ اور لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔

کوئی بھی شخص جو اس راستے پر چلتا ہے بنیادی طور پر ہی جب وہ اس قسم کے اوراد اور کلمات شروع کرتا ہے تو ان ہی میں کفر موجود ہوتا ہے۔ اور اس کا ایمان ضائع ہو جاتا ہے۔ ان علوم کے حصول کیلئے ایمان کا ضیاع شرط ہے۔ نورِ ایمان جب تک دل میں ہو تو شیطان کے ساتھ وہ تعلق قائم نہیں ہو سکتا جس تعلق کے طفیل عجائبات ظہور پذیر ہوں۔ یا لوگوں کو پریشان کرے یا اس طرح کی بات کوئی اس میں پیدا ہو ــــــ اسطرح کے علوم کو سفلی علوم میں شمار کیا جاتا ہے۔ اور اس فن کے بھی بڑے بڑے اساتذہ گذرے ہیں۔ جس میں جادو ٹونا ٹوٹکا اور یہ چیزیں آ جاتی ہیں۔ اور یہ ہمیشہ لوگوں کے عقیدے خراب کرنے کے لیے اور عمل خراب کرنے کیلئے بھی اور ایذا دینے کے لیئے استعمال کیا جاتا ہے۔

حقیقی علم جس کے لیے یہ استعداد دی گئی۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جسطرح کسی سپاہی کو ہتھیار تو دیا جاتا ہے۔ قوم، ملک کی حفاظت

کے لیے لیکن اگر اس ہتھیار کے ساتھ وہ لوگوں کو لوٹنا شروع کر دے تو بھی استعمال کر سکتا ہے۔ اس لیے یہ استعداد جو اخذ فیوض و برکات کے لیے دی گئی تھی۔ اس کا غلط استعمال اسے شیطنت کی طرف اور سفلی علوم کی طرف لے جاتا ہے۔ حقیقی علم جسے علم کہا جا سکتا ہے اور جو واقعی علم ہے۔ اس کے علاوہ دیگر تمام علوم، علوم نہیں ہیں بلکہ معلومات ہیں۔

معلومات اور علم میں ایک خاص فرق ہوتا ہے۔ معلومات جو ہوتی ہیں وہ انسان کا حال نہیں بنتیں۔ علم جو ہوتا ہے وہ انسان کا حال بن جاتا ہے اور جو علم حال بنتا ہے وہ صرف انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے طفیل اور ان کی وساطت سے حاصل ہوتا ہے یہ بالکل اس طرح سے ہے۔ جس طرح عالمِ آب و گل میں سورج ہے اسی طرح عالمِ روحانیت میں یا روحوں کی دنیا میں نبوت سورج کی مانند ہے۔ جس کے طفیل اس سارے عالم کی آب و تاب اور زندگی اور حرارت قائم ہے اور جو شخص بھی ایمان لاتا ہے اور بہ تائیدِ ایزدی جسے بھی ایمان لانے کی سعادت حاصل ہوتی ہے، جیسے ہی وہ ایمان لاتا ہے اس کے قلب کا تعلق اس نورِ نبوت کے ساتھ جڑ جاتا ہے۔ اسی لیے ایمان لانے کے لیے یقینِ قلبی شرط ہے۔ اگر کوئی شخص دل سے یقین نہ کرے اور محض زبان سے جان بچانے کے لیئے یا کسی فائدے کو حاصل کرنے کے لیے کہہ دے لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ تو اگرچہ وہ افرادِ اسلام میں سے یا مسلمانوں کی گنتی میں شامل ہو جاتا ہے۔ لیکن اللہ کے نزدیک وہ مسلمان اور مومن نہیں ہے جب تک دلی طور پر، قلبی طور پہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تصدیق نہ کرے۔

یہ تصدیقِ قلبی جو ہے یہ قلب کا تعلق نورِ نبوت سے قائم کر دیتی ہے۔ اگر اللہ کریم مشاہدہ عطا فرما دیں تو دیکھا جا سکتا ہے کہ ہر کلمہ گو کے دل کے ساتھ ایک نورانی تار جڑی ہوئی ہوتی ہے۔ یہ اس کے مسلمان ہونے کی دلیل ہوتی ہے۔ خدانخواستہ اس کے عقائد خراب ہو جائیں تو وہ لوٹ جاتی ہے۔ وہ صرف تب تک رہ سکتی ہے جب تک اس کا دل ضروریاتِ دین کی تصدیق کرتا رہے۔ اور جب یہ تار ٹوٹ جاتی ہے تو انسان معاشرے میں ایسے ہو جاتا ہے جیسے فضا میں کسی پتنگ کی ڈور کٹ جائے۔ اس لیے آپ نے دیکھا ہوگا کہ بے شمار

نئے نئے فرقے پیدا ہوتے ہیں۔ ہر فرقے کو کچھ لوگ مل جاتے ہیں جنہیں یہ لوگ اپنے ساتھ شامل کر لیتے ہیں۔ یہ سب وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی ڈور کٹی ہوئی ہوتی ہے۔ ورنہ انسان عقیدے پر قائم ہو تو اسے ہٹا کر کسی دوسری طرف لے جانا یہ بہت مشکل ہوتا ہے۔ جن لوگوں کو مختلف خیالات اور مختلف نظریات کے لوگ اچک لیتے ہیں۔ یہ دراصل اپنے اصل سے کٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ کٹی ہوئی پتنگیں ہوتی ہیں۔ اب کسی کی ہمت ہے جس نے کسی کو لوٹ لیا۔

لیکن جب یہ تعلق قائم رہے اور انسان اطاعت پیغمبر میں کوشاں رہے تو یہ بڑھتا رہتا ہے اور مضبوط ہوتا رہتا ہے اور یہ ہلکی سی روشنی کی کرن جو ایمان لانے سے پیدا ہوتی ہے یہ پھیلنا شروع ہو جاتی ہے، اور نبی رحمت صلے اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر سے اس کے قلب تک جوں جوں وہ اطاعت پیامبر اور اتباع رسالت اختیار کرتا ہے توں توں یہ روشنی بڑھتی جاتی ہے، مضبوط ہوتی جاتی ہے۔ اور اس انسان کا کردار نکھرتا جاتا ہے، سنورتا جاتا ہے۔ سوچ مثبت ہوتی چلی جاتی ہے۔

اس کے علاوہ اس نعمت کو حاصل کرنے کا ایک ذریعہ اور بھی ہے اور وہ ہے کسی صحبت میں پہنچ کر انعکاسی طور پر بہت سا نور اپنے سینے میں انڈیل لینا جسطرح صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے مقام صحابیت کو پا لیا۔

اور مقام صحابیت کو پانے کے لیئے صرف اور صرف ایک راستہ ہے اور وہ ہے صحبت پیامبر صلی اللہ علیہ وسلم۔ جب ہم صحابیؓ کہتے ہیں تو صحابی محض ایک اصطلاح نہیں ہے اس کے پیچھے ایک بہت بڑی حقیقت ہوتی ہے اور وہ یہ ہوتی ہے کہ یہ شخص امانت میں، دیانت میں، اخلاقیات میں، عقائد میں اعمال میں، ورع اور تقویٰ میں، خشوع اور خضوع میں ہر غیر صحابی سے کروڑوں درجے آگے بڑھا ہوا ہے۔ یعنی جب ہم کسی کو صحابی کہتے ہیں تو اس کے ساتھ ہمارا یہ عقیدہ ہوتا ہے، یہ صرف ہمارا خیال یا ہمارا علم نہیں ہوتا ہمارا ایمان ہوتا ہے، یقین ہوتا ہے کہ یہ شخص تمام اوصاف عالیہ میں ہر غیر صحابی سے کروڑوں درجے بلند تر ہے۔

اور اسے وہ کمال کسطرح حاصل ہوا، کہ جب وہ ایمان لایا، اس کے قلب کی تار یا تعلق جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر سے

جُڑ گیا تو ایمان لانے کے بعد کوئی لمحہ اُسے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت نصیب ہوئی ، آپ کی نگاہِ اطہر میں آگیا تو جیسے وہ صحبتِ عالیہ میں پہنچا تو وہ نور جو سمندر کی طرح حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر میں ٹھاٹھیں مار رہا تھا، اس نے اس کے دل کو بھی سیراب کر دیا۔ اور یہ وقوع پذیر ہُوا انعکاسی طور سینۂ اطہر سے اس مومن کے سینے میں۔

اگر کسی کو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک زمانے میں ایمان نصیب ہُوا بہت پائے کا وہ نیک شخص ٹھہرا۔ لیکن مجلسِ عالی میں نہ پہنچا تو صحابی نہ بن سکا یعنی اس درجے کی نورانیت اس کے قلب میں نہ آسکی جو اُسے مقامِ صحابیت پر فائز کرتی۔ چونکہ اس کیلئے انعکاسی طور پر خود سمندر میں غوطہ لگانا شرط ہے۔ بارش میں بھیگنا اور بات ہے اور سمندر میں ڈوبنا اور بات ہے۔

تو غیر صحابی اور صحابی میں ایسا ہی فرق ہے۔ غیر صحابی پر بھی وہی انوارات مترشح ہوتے ہیں۔ مقامِ رسالت کے طفیل جو صحابی تک پہنچتے ہیں۔ لیکن غیر صحابی جو سمندر سے بھاپ اٹھی ، بادل بنی ، برسی ۔ اس کی پھوار میں بھیگ رہا ہوتا ہے ۔ اور صحابی خود سمندر میں غوطہ زن ہوتا ہے ۔

اس مقام پانے کے لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی بعثت سے لے کر آپ کے وصالِ مبارک تک وہی تیئس ۲۳ سال تک کا عرصہ تھا ۔ اس میں جن خوش نصیبوں کو یہ نعمت مِل گئی مل گئی اور بس .... حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں پہنچنا اس دارِ تکلیف میں، اس عالمِ آب وگِل میں شرط تھا ۔ جب حضور اِس مجلس سے تشریف لے گئے ، عالمِ برزخ میں جلوہ افروز ہوئے تو وہ بات ختم ہو گئی ۔ وہ وقت ختم ہو گیا ۔ لیکن وہ دولت ختم نہ ہوئی ، حضورؐ کی برکات اور آپؐ کے فیوضات ختم نہ ہوئے ۔ پھر درجہ ایک کم ہو گیا کہ جو صحابہؓ کی خدمت میں پہنچا ان کی صحبت اختیار کی وہ تابعی بن گیا یعنی وہ نور جو صحابہؓ کے دلوں میں موجزن تھا وہ انعکاسی طور پر ان کے دلوں میں منتقل ہو کر اسے تابعی بنا گیا ۔ تابعین کی جو مجلسِ عالیہ میں پہنچا وہ تبع تابعی بن گیا ۔ اسی طرح تبع تابعین کے بعد جس طرح باقی ادارے تقسیم ہو گئے ، جیسے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مفسر محدث ، فقہاء یہ کوئی علیحدہ علیحدہ نہیں تھے سارے صحابہؓ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے تفسیر بھی سنتے تھے ۔ فقہ کی باتیں بھی سنتے تھے ۔ حدیث پاک

بھی سنتے تھے اور سارے بیان بھی سنتے تھے۔

لیکن جوں جوں زمانہ آگے چلتا گیا یہ سارے فنون علیحدہ علیحدہ ہوتے گئے۔ یکجا تو سارے کمالات تو صرف حضور کی ذاتِ گرامی میں تھے۔ پھر کوئی مکتبِ فقہ کا بنا، کوئی تفسیر سے معروف ہوا۔ کوئی حدیث سے مشہور ہوا۔ کوئی حدیث کا امام ہوا، کوئی فقہ کا امام ہوا، کوئی تفسیر کا امام ہوا۔

اسی طرح اس فن میں بھی منفرد لوگ، خوش قسمت لوگ، اولوالعزم لوگ جنہیں اللہ نے پسند فرما لیا وہ آگے بڑھے اور اس طرح سے سلاسلِ تصوف قائم ہوئے۔

جسطرح ظاہری علوم کیلئے مکاتب یا مدارس بنے۔ اسی طرح اس کے لیے بھی بعض لوگ جو ہیں معروف ہوئے اور دوسرے لوگ ان سے اپنی استعداد کے مطابق استفادہ کرتے رہے۔ تو جو لوگ اصحابِ سلاسل گذرے ہیں، جن لوگوں کے ناموں کے سلسلے جاری ہیں وہ لوگ بہت ہی بلند پایہ لوگ گذرے ہیں اتنے عالی ہمت اور اتنے خوش نصیب کہ جن کے مقامات اور منازل کا اندازہ کرنا میرے اور آپ کے بس کی بات نہیں۔ جس کا تعلق محض کسی چھوٹے سے ذخیرۂ آب سے نہیں بلکہ فیوضاتِ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ اور ایسا چشمہ، جتنا آپ لیتے جائیں اس کی قوت اور آمد جو ہے اس کے برکات کی، وہ بڑھتی چلی جائے گی۔

جب ان لوگوں سے برکات کا ظہور شروع ہوا تو اثر وہی ظاہر ہوتا تھا جو اصل کا تھا۔ آپ چاہِ زم زم پر جاکر اصل زمزم شریف کا پانی پی لیں یا کوئی آپ کو یہاں لاکر دے دے، اس پانی کی خصوصیات وہی ہوں گی جو وہاں ہیں وہی یہاں بھی ہوں گی۔ تو یہ برکات براہِ راست حضورؐ سے پہنچے تو فرق یہ پڑا صرف اتنا کہ وہ مقدار میں بہت زیادہ پہنچے اور جب صحابہؓ سے منتقل ہوئے تو اثر ان کا وہی تھا، وہی خشوع و خضوع وہی صدق وصفا، وہی وراع و تقویٰ تابعین میں بھی آیا۔ لیکن اس کی مقدار کم ہوگئی۔ اس انداز سے نہ پہنچی جس انداز سے براہِ راست حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے پہنچی تھی لیکن ان کے اثرات میں کمی نہیں آئی۔ اسی طرح جب تابعین، تبع تابعین اہل اللہ کو منتقل ہوئے اور مشائخ عظام کے سینوں میں موجزن ہوئے تو ان کی مقدار میں کمی آئی ان کی برکات میں کمی نہیں آئی۔ اور اس سے وہی نتیجہ ظہور پذیر ہوا کہ جس سینے میں وہ جاگزیں ہوئے وہ شخص

بدل گیا اور برائی سے ہجرت کر کے نیکی کے راستہ پر اس نے اپنا سفر شروع کر دیا۔ اور اخلاقیات میں، ایمانیات میں، معاملات میں اس کی اصلاح ہوتی چلی گئی۔ اب اصلاح پذیر ہونے کی استعداد ہر شخص کی جداگانہ ہوتی ہے لیکن یہ طے ہے کہ جب یہ برکات نبوت سینے میں آتی ہیں تو ہر آدمی جس مقام پر کھڑا ہوتا ہے اس سے بہتری کیطرف چل پڑتا ہے۔

فرق یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص اس حالت میں ہو کہ وہ کتنا دور ہے اور وہ کتنے وقت میں اصل راستے تک پہنچے گا۔ لیکن سفر سب کا حقیقت کی طرف شروع ہو جاتا ہے۔ دوسرا فرق جو ہوتا ہے یہ ہوتا ہے کہ ٹیلی پیتھی سے آپ عالم آب و گل میں اثر کر سکتے ہیں، دور نزدیک کی وہ بات دیکھ سکتے ہیں جو اس دنیا میں وقوع پذیر ہو رہی ہے۔ آپ قوتِ متخیلہ سے اس دنیا کی چیزوں کو متاثر کر سکتے ہیں۔ اسی طرح سفلی علوم سے بھی آپ زمین سے اوپر آسمان کے نیچے جو چیزیں ہیں ان کو متاثر کر سکتے ہیں۔

لیکن جب نورِ نبوت آتا ہے تو یہ تحت الثریٰ سے عرشِ معلےٰ تک ہر چیز کو متاثر کر دیتا ہے اور ان کی نگاہ جب اٹھتی ہے تو بالائے آسمان عرشِ عظیم تک، برزخ میں جنت و دوزخ اور پیچھے عالم امر اور عالم ارواح تک چلی جاتی ہے۔ یہ صرف نورِ نبوت سے ہوتا ہے کہ آپ نگاہ کو اپنی قوت کو، اپنی استعدادِ کار کو اس احاطۂ امکان سے باہر لے جاتے ہیں۔

ورنہ کوئی بھی علم، کوئی بھی طاقت امکانات کی حدود سے باہر نہیں جا سکتی۔ اگر کسی مخفی قوت سے کوئی شخص پرواز کی طاقت حاصل کر لیتا ہے۔ یہ عین ممکن ہے لیکن یہ طاقت مادی دنیا میں لوگوں نے مشینیں بنا کر بھی حاصل کر لی ہے۔ اس طرح یہ ممکن ہے کہ کسی مخفی علم کا ماہر آپ کو تھوڑے وقت میں زیادہ فاصلہ طے کرتا ہوا نظر آئے اور جو فاصلہ آپ مہینے میں طے کرتے ہیں وہ ایک دن میں اس میں پہنچ جائے۔ یہ ممکن ہے اس کے لیے ایمان بھی شرط نہیں۔

لیکن بالائے آسمان جھانکنے کے لیے بھی نورِ ایمان اور نورِ نبوت شرط ہے یعنی زیرِ آسمان کے وہ سارے عجائبات حاصل کر سکتا ہے، مجاہدے سے، محنت سے، قوت سے بالائے آسمان کی بات یا روح کی بات یا وہ بات جو مادی آنکھوں سے پوشیدہ ہے۔ جسے دیکھنے کے لیے دل کی آنکھ چاہیئے۔ اس تک کوئی علم بھی نہیں پہنچ سکتا۔ سوائے نورِ نبوت کے۔ اور کسی شخص کی نگاہ نہیں پہنچ سکتی سوائے نورِ نبوت کے۔ صرف اور صرف ایک

راستہ ہے ان حقائق تک پہنچنے کا یا جن علوم کو علوم الٰہیات کہا گیا ہے اور جس میں عظمتِ باری ہویدا ہوتی ہے اور معرفتِ باری نصیب ہوتی ہے اور حقیقی شرفِ انسانیت جس سے نصیب ہوتا ہے۔ اور وہ صرف اور محض نورِ نبوت ہے۔

اب یہ ادارے جو اللہ کے نام پر بنے ہوئے ہیں اور تصوف کے داعی ہیں ان کا اصل کام یہ ہے کہ وہ خود اس نورِ نبوت کے حامل ان کے سینے ان کے قلوب اس سے منور ہوں۔ اور جو طالب بھی ان تک پہنچے اس تک روشنی کو، اس نور کو پہنچانے کی استعداد رکھتے ہوں۔

اور میرے خیال میں یہ بات تو کرنا ضروری نہیں ہے کہ اس کے حصول کے لیے کوئی خاص صنف یا کوئی درجہ شرط نہیں ہے۔ مرد ہو یا عورت، بوڑھا ہو یا جوان ہر اس شخص کو جو ایمان لاتا ہے اب عورت ہے یا مرد خواہ وہ بوڑھا ہے یا جوان۔ عالم ہے یا جاہل۔ گڈریا ہے چرواہا ہے یا تاجر و دکاندار ہے اور ہے یا مزدور یا چوکیدار۔ ملک کا سربراہ ہے کسی فرم کا چپڑاسی، ایمان لانے کے بعد اس نعمت سے اپنا حصہ حاصل کرنا اس کا حق بن جاتا ہے۔ کسی ایک کی اس پر اجارہ داری نہیں ہے۔ جو بھی ایمان لاتا ہے اس کا حق بنتا ہے کہ اس نعمت کو حاصل کرے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی مرحوم نے اور متقدمین مفسرین نے بھی قرآن کریم کی تفاسیر میں یہ لکھا ہے کہ اس کا حصول مومن مرد و عورت کے لیے واجب ہے۔ ہاں عورت کے لیے احکامات جداگانہ ہیں۔ کہ وہ ان حدود کو جو شریعت اسلامیہ نے مقرر کی ہیں قائم رکھے۔ بے حجابانہ لوگوں سے نہ ملے اور ایسی حرکت نہ کرے جس کی شریعت اس کو اجازت نہ دیتی ہو۔ بلکہ عورتوں کے لیے سب سے زیادہ موزوں یہ ہے کہ مرد حضرات جو خود اس نعمت کے حصول کو لگے ہوئے ہیں وہ اپنے گھروں میں بیبیوں کو، بچیوں کو، اپنی ماؤں کو، بہنوں کو اس نعمتِ عظمیٰ سے واقف کرائیں۔ اور انہیں اس کے حصول کا طریقہ سکھائیں۔ اور ان پر انعکاسی طور پر ذکر کے دوران القا کیا کریں تاکہ ان کے دلوں میں بھی یہ نور پیدا ہو۔ یہ نور جس دل میں آئے گا اس شخص کے اعمال اور کردار کی حالت بدلے گی ورنہ محض وعظ سے محض تحریروں سے اور تقاریر سے انسان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ کہ اس سے معلومات میں اضافہ ہوتا ہے علم میں نہیں۔

اور آپ کا مشاہدہ یہ ہے آپ دیکھتے ہیں جتنی تبلیغ جلسوں میں۔ تقریروں میں

ریڈیو اور ٹیلی وژن پر - اخباروں اور رسالوں میں آج کے دَور میں ہورہی ہے - اس کا تصوّر آج سے پہلے ممکن ہی نہیں تھا - جب یہ ذرائع ابلاغ نہیں تھے تب اتنی تبلیغ نہیں ہوسکتی تھی - لیکن اس ساری بحث کا ماحصل کیا ہے کچھ بھی نہیں - لوگ سن لیتے ہیں اور یہ نتیجہ نکلتا ہے اور کہتے ہیں کہ بہت اچھی تقریر تھی - الفاظ بہت اچھے تھے ، جملے بہت اچھے تھے زیروبم بہت اچھا تھا - الفاظ کا اس کے علاوہ کوئی اثر نہیں ہوتا - اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں صرف معلومات ہوتی ہیں اس کے ساتھ وُہ حالات نہیں ہوتے وُہ انوارات نہیں ہوتے جو دِلوں میں مرتکز ہوکر دِلوں کو تبدیل کرنے کی قوّت رکھتے ہوں -

تو انسان کو اصل میں جو قوتیں دی گئی ہیں اور جن کی وجہ سے یہ باقی مخلوقات سے افضل ہے وُہ قوتیں ہیں جن کے طفیل یہ نورِ نبوّت کو اخذ کر کے اپنے دل میں لے سجا کر قربِ الٰہی کی طرف گامزن ہوسکتا ہے اور ان منازل تک پہنچ سکتا ہے جن پر بجز انسان کے دوسری کوئی مخلوق قدم نہیں رکھ سکتی -

تو یہ سلاسلِ تصوّف جو ہیں یہ محض حکایت اور رواج نہیں ہیں - محض دعویٰ نہیں بلکہ ان کے پیچھے ایک بہت بڑی حقیقت ہے کہ ان انوارات اور برکات کو حاصل کیا جائے اور اس استعداد کو جو تخلیقی طور پر اللہ کریم نے ہمیں بحیثیت انسان کے عطا کی ہے اس کو اس کی اصل جگہ پر صرف کیا جائے اور اصل مصرف پر لگایا جائے - اس سے نورِ ایمان کو اخذ کیا جائے اور نورِ ایمان کو منور اور مضبوط کرنے کے لیئے برکاتِ نبوت کو حاصل کیا جائے جو انعکاسی طور پر صحبتِ شیخ سے حاصل ہوتی ہیں - اور ان کے حصول کی دلیل صرف کشف و مشاہدہ نہیں ہے بلکہ سب سے بڑی دلیل ہمارا ارادہ ہماری سوچ اور ہمارا عمل اور کردار ہے - اگر کسی شخص کو کشف نہیں ہوتا لیکن اس کا عمل اور کردار مثبت انداز میں تبدیل ہونا شروع ہوگیا تو یقیناً اس کے سینے میں نورِ نبوّت ہے جو اسے اس طرف لے جارہا ہے -

اگر کسی شخص کو کشف ہونا شروع ہوگیا مختلف روشنیاں نظر آتی ہیں لیکن اس کے عمل کی اصلاح نہیں ہورہی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اسے باطنی قوتوں کو جلا دینے کی تو مہارت ہوگئی لیکن ان میں نورِ نبوّت

داخل نہیں ہُوا ۔ تو ایسا شخص جسے کچھ عجائبات نظر آتے ہیں لیکن اعمال میں اصلاح پذیر نہیں ہو رہا وُہ ہر آن خطرے کی زد میں ہے۔ اور وُہ شخص جسے کشف نہ بھی ہو اس کے اعمال سنّت کے مطابق سدھرتے جا رہے ہیں وُہ نہایت ہی اعلیٰ مقام پر کھڑا ہوا ہے اس کی نسبت ۔ اور اگر اس بہتری کے ساتھ کشف و مشاہدہ بھی نصیب ہو جائے تو یہ مزید انعام ہے ربّ العالمین کا۔

یہ جو کہہ دیا جاتا ہے کہ کشف کوئی شے نہیں، اس کے لیئے محنت کی کوئی ضرورت نہیں یہ بھی نادانی یا سیدھا کہا جائے تو جہالت کی نشانی ہے ۔ اگر صاف کہا جائے بغیر لگی لپٹی کے تو یہ جہالت کی دلیل ہے کیونکہ مشاہدے کی تمنّا اولوالعزم رسولوں نے بھی کی ہے ۔

سیّدنا ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی کہ خدایا مجھے دکھا دے کیف تحی الموت اللہ مجھے اس بات کا مشاہدہ کرا دے تو مُردوں کو کس طرح زندہ کرے گا۔

ارشاد ہُوا ، اولم تومن ، تجھے یقین نہیں ہے ؟ عرض کیا بلیٰ ، خدایا یقین ہے لیکن ولکن لیطمئن القلبی : لیکن میرے بھی انسان ہوں اور انسانی قلب میں جو باتیں اٹھتی ہیں ان کے ازالے کیلئے مشاہدہ ہی سب سے قوی دلیل ہے کہ جب وُہ خود دیکھ لیتا ہے تو اسے مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں رہتی۔

آپ ایک انسان کو لاکھوں دلیلیں دے کر کسی چیز کے متعلق قائل کریں کہ اس کا رنگ سبز ہوتا ہے ۔ وُہ آپ پر یقین بھی کر لے لیکن جب وُہ اس چیز کو سبز رنگ میں دیکھ لے گا ، جو تیقن اسے اس وقت حاصل ہوگا وُہ آپ کی باتوں سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہ انسانی مزاج ہے چنانچہ اللہ نے انہیں دکھا دیا۔

حضرت عزیر علیہ السلام کا واقعہ اس طرح ملتا ہے اور خود حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوتا ہے کہ یہ انبیاء کے قصص نقصص علیک ، آپؐ پر ہم جو انبیاء کے قصص بیان کرتے ہیں لنبثت بہٖ فوادک یہ اس لیے کہ آپ کا قلب اطہر جو ہے اس میں تیقن کی وُہ کیفیّت پیدا ہو جائے جس پہ دل میں کوئی سوال وارد نہیں ہوتا ۔ حالانکہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا یقین ساری کائنات کے یقین سے محکم تر تھا ، افضل تر تھا ۔ لیکن انبیاء و رسل میں بھی خصوصیات بشری جو ہوتے ہیں وُہ

ضرور ہوتے ہیں۔ تو اس لیے بغیر مانگے بھی حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو انبیاء سابقہ کے حالات بتائے گئے اور اللہ کا بتانا جو ہے وہ دکھانا ہی ہوتا ہے۔ چونکہ حضور پر جتنی بات من جانب اللہ وارد ہوتی تھی وہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم قلب اطہر کی آنکھوں سے دیکھتے تھے اور قلبِ اطہر کے کانوں سے سنتے تھے۔ وہ سارا کچھ کشفاً ہوتا تھا۔ اور جو بات کشفاً بتائی جائے وہ صرف سنائی نہیں دیتی بلکہ فلم کی ریل کیطرح دکھائی بھی دیتی ہے۔ جن احباب کو اللہ کی ذات نے کشف اور مشاہدہ کی نعمت سے نوازا ہے وہ خوب سمجھتے ہیں کہ جب بھی کوئی واقعہ بیان کیا جا رہا ہوتا ہے تو اس کی ساری حالت سامنے منکشف ہوتی چلی جاتی ہے وہ نظر بھی آ رہا ہوتا ہے۔

تو یہ وحیِ الٰہی جتنی بھی ہوتی ہے وہ ساری چونکہ کشفاً حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر وارد ہوتی تھی۔ تو کشفاً جو بات سنائی جاتی ہے وہ صرف سنائی نہیں دیتی وہ ساتھ دکھائی بھی جاتی ہے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو جن انبیاء کے قصص بتائے گئے۔ وہ صرف بتائے نہ گئے بلکہ بعینہٖ مشاہدہ بھی کرا دیا گیا یہ اس لیے لنثبت به فوادك کہ دل کی گہرائیوں میں کوئی سوال باقی نہ رہے۔

تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہر شخص کو مشاہدے کی ضرورت ہے۔ جنہیں قوتِ مشاہدہ نصیب ہو جاتی ہے ان کا تیقن بہت پختہ ہو جاتا ہے یہ اور بات ہے کہ اپنی نادانی کی وجہ سے کہیں اس میں نہ پھنس جائیں۔ چونکہ دار ابتلا ہے اور آدمی امتحان و آزمائش میں رہتا ہے۔ تو مشاہدے کے لیے ہر غیر نبی کے لیے شرطیہ ہوتی ہے کہ اس کا کشف و مشاہدہ نبی کے کشف و مشاہدہ سے ٹکرا نہ جائے۔ اگر ٹکرائے گا تو حق وہ ہوگا جو نبی نے دیکھا۔ اور غیر نبی نے جو سمجھا وہ غلط ہوگا۔ اسے اس کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ اگر حدودِ شرعی سے باہر جا رہا ہے۔ اس میں دو نقص ہوں گے۔ یا تو اس کی قوتِ مشاہدہ کے سامنے کوئی چیز شیطان متمثل کر کے پیش کر رہا ہے۔ یا اسے سمجھنے میں غلطی لگ رہی ہے۔ یا اس کا اپنا نفس کوئی شے اپنے سامنے متشکل کر رہا ہے۔ ورنہ حق وہی ہے جو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ولی کے کشف و مشاہدے کے لیے ارشاداتِ نبویؐ کی حدود کے اندر رہنا شرط ہے۔ کسی کا مشاہدہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے مشاہدے سے مضبوط نہیں ہے کہ جس چیز کو حضور برا کہیں

وہ کہے مجھے تو لال نظر آتی ہے۔ اگر اسے لال دکھائی دیتی ہے تو اس کے دیکھنے میں قصور ہے۔ یا اسے نفس بھٹکا رہا ہے۔ حقیقتاً وہ شے سبز ہی ہے جیسے حضورؐ نے سبز فرمایا۔

تو یہ اصل مصرف ہے اس استعداد کا اور اس قوت کا۔ اور یاد رہے کہ کشف دمجاہدہ بھتنی بڑی نعمت ہے اور اس کی جتنی طلب کی جائے درست ہے لیکن یہ طلب اتنی نہ بڑھ جائے کہ کشف ہوگا تو اللہ کے دروازے پر سجدہ کروں گا۔ اگر نہیں ہوگا تو پھر مجھ سے یہ ذکر اذکار نہیں ہوتے۔ تو اس درجے پر اگر پہنچ گئی تو یہ خود شرک بن جائے گا۔ تو اس کی حیثیت یہ ہوگی کہ یہ بہت بڑی نعمت ہے اگر نصیب ہو جائے لیکن اگر نصیب نہ بھی ہو تو اللہ کا دروازہ کسی حال میں نہیں چھوڑوں گا کہ میرا مقصد اصلی جو ہے وہ قرب الٰہی ہے یعنی مشاہدہ نصیب ہو جائے تو یہ اس راستے کی لالٹین ہے۔ ٹارچ ہے، روشنی ہے جس پر آسانی سے دوسرے کی نسبت آپ راستے کے نشیب و فراز دیکھ سکتے ہیں۔ یہ ایک مزید نعمت ہے جو آپ کو مل گئی لیکن اصل مقصود اور مطلوب رضائے باری اور قرب الٰہی ہے۔

تو یہ ہے وہ راستہ جس کو بتوفیق الٰہی آپ نے اختیار کیا ہے۔ اس کے مالہٗ وما علیہ۔ یعنی اس کی جو ضروریات ہیں اور جہاں سے بچنا چاہیئے اُن کے متعلق آن کی آپ آؤٹ لائن کہہ لیں ان کے اشارات میں نے آپ کو دے دیئے ہیں۔ جہاں جہاں سے خلط ملط ہونے کا خطرہ ہے یا بھٹکنے کا خطرہ ہے اس کی میں نے نشاندہی کر دی ہے۔ مزید آپ اس پر نگاہ رکھیں اور کبھی غلطی سے ان علوم کو اس کے ساتھ خلط ملط کر کے اس طرح دھوکا میں نہ آجائیں۔ چونکہ شیطان زیادہ کوشش اور زیادہ محنت ان لوگوں کے ساتھ کرتا ہے جو منور القلوب ہوتے ہیں۔

جب دل میں روشنی آجائے تو ایک خاص کیفیت خشوع و خضوع کی پیدا ہو جاتی ہے۔ جو انسان کو سلامتی کے ساتھ صراط مستقیم پر چلاتی ہے۔ اگر دل میں روشنی نہ ہو تو سارے اعمال کو یہ ایک چھوٹا سا جملہ پیدا کر کے ضائع کر دیتی ہے۔ یہ دوسرے لوگوں سے اتنا خوف نہیں کھاتا نہ اسے ڈر ہوتا ہے لیکن منور القلوب لوگ جو ہوتے ہیں جب دل میں نور نبوت آجائے تو اس کے وسوسے ڈالنے کی قوت میں کمی آجاتی ہے۔

جس دل میں یہ داخل ہو کر وسوسہ ڈالتا ہے، لیکن جب نور نبوت آجاتے تو پھر اس کو اس کی "زد" سے باہر کھڑے ہو کر وساوس القا کرنے پڑتے ہیں۔ پھر جوں جوں بڑھتا جائے تو

اس کے لیے جوں جوں دشواری پیدا ہوتی جاتی ہے اسے جوں جوں پیچھے ہٹنا پڑتا ہے تو یہ کوشش کرتا ہے کہ کسی دل میں نور نہ رہے مختلف حیلوں سے، مختلف بہانوں سے، مختلف طریقوں سے۔ کہیں منصب کا لالچ دیکر، کہیں شہرت کا لالچ دے کر، کہیں دولت کا لالچ دیکر مختلف انسانی کمزوریوں کو یہ استعمال کرتا ہے۔

تو ہر حال میں ایک خیال باقی رہے کہ کوئی منصب انسان کے لیے حضورؐ کی اطاعت سے باہر نہیں۔ کوئی بڑائی، کوئی عزت، کوئی شرف کوئی عظمت کوئی بھی بزرگی نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت سے باہر ہرگز نہیں ہے۔ جو کچھ بھی انسان کو ملنا ہے وہ حضور کی اطاعت اور سنت کی حدود کے اندر رہ کر اسے ملنا ہے اس کے باہر اس کے لیے تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں، خواہ وہ کتنے عجائبات حاصل کرلے۔ ہوا میں اڑنے کا کمال حاصل کرلے۔ یا اس سے بھی بڑھ کر کوئی کمال حاصل کرلے۔ وہ سب اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکیں گے۔

اللہ کریم آپ سب کو، حاضر و غائب تمام احباب کو عامۃ المسلمین کو صحیح سمجھ، توفیق، عمل اور برکات نبوت عطا فرمائے۔ آمین!

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

فسبح له السموات السبع والارض ومن فيهن وان من شيءٍ الا يسبح بحمده ....

.........علي ادبار هم نفورا۔

صبح کے بیان میں میں نے عرض کیا تھا اللہ کریم نے انسان میں کچھ پوشیدہ قوتیں رکھی ہیں کچھ مخفی خزانے اسے عطا فرمائے ہیں جن کو یہ تین طرح سے استعمال کرتا ہے۔ ایک کسی مشق کسی قاعدے کے ذریعے مجاہدہ کر کے قوت متخیلہ کو ایک نقطے پر مرتکز کرنے کی مشق حاصل کرتا ہے۔ اور اس ارتکاز توجہ سے مختلف ایسے امور انجام دیتا ہے جو محیر العقول ہوتے ہیں۔ بڑے عجیب نظر آتے ہیں شعبدہ بازی سے لیکر ٹیلی پیتھی تک اور یوگا سے لیکر مسمریزم تک کے اقسام اس ضمن میں آتے ہیں۔

دوسرا استعمال اس کا یہ ہوتا ہے کہ انسان برائی میں پڑکر ابلیس کے ساتھ اپنا رابطہ شیاطین کے ساتھ اپنا تعلق قائم کرلیتا ہے۔ تو چونکہ اس میں استعداد کارہوتی ہے۔ بنیادی طور پر کچھ مخفی قوتیں ودلیعت کی گئی ہیں۔ ان پر جب شیطانی اثرات مرتب ہوتے ہیں تو یہ خود مجسم شیطان بن جاتا ہے اور دنیا میں شیطان کے نمائندے کے طور پر کام کرتا ہے۔ پھر اس سے بعض

مخبر المعقول چیزیں صادر ہوتی ہیں جو از قسم کہانت جادو ٹونا وغیرہ یا جنہیں اصطلاحاً سفلی علوم کہا جاتا ہے۔ ایسے لوگ نہ صرف کافر ہوتے ہیں بلکہ بدکار بھی ہوتے ہیں۔ اور دوسری طرح کے لوگ جو بعض مشقوں سے عجائبات اور امور حاصل کرتے ہیں وہ کافر بھی ہو سکتا ہے مسلمان بھی ہو سکتا ہے۔ نیک آدمی بھی کر سکتا ہے، بدکار بھی کر سکتا ہے۔ وہ محض مشق ہے۔

اصل مصرف میں نے صحیح بھی عرض کیا تھا ان قوتوں کا، یہ ہے کہ جب اللہ کا کوئی نبی اور رسول مبعوث ہوتا ہے تو آدمی مکلّف ہوتا ہے اس پر ایمان لانے کا جہاں تک اسکی نبوت کا دائرہ کار ہو۔ اور جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مبعوث ہوئے تو ساری انسانیت کے لیے ہوئے اور ہمیشہ کے لیے ہوئے تو دنیا کے جس گوشے میں جہاں بھی کوئی آدمی بستا ہے اس تک جب خبر پہنچے آپؐ کی بعثت کی تو اس کا ایمان لانا فرضِ عین اور ضروری ہے اور وہ مکلف ہے اس بات کا۔ جب ایمان لانا نصیب ہوتا ہے تو ان مخفی قوتوں کا یا دل کی طاقتوں کا یا روح کی طاقتوں کا یا روح کے مرکز کا تعلق قائم ہوجاتا ہے نور نبوت سے اور پھر نور نبوت کے طفیل انسانی طلب میں وہ استعداد پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ ارشادات نبوی کو سمجھ سکے۔ جسطرح نبی کو نبوت ملنے سے یہ استعداد حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ اللہ کے کلام کو سن بھی سکے اور سمجھ بھی سکے اور عام مجلس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے ہیں نزول وحی شروع ہو جاتی ہے تو مختلف حالتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں جن میں قدرِ مشترک یہ ہے کہ اس میں حضور صلعم پر اسقدر بوجھ پڑتا تھا تجلیات و انوارات کا کہ آپؐ کا وجودِ مبارک حسی طور پر بہت وزنی ہو جاتا تھا حتیٰ کہ حضورؐ سانڈھنی پر سوار ہوتے اور نزولِ وحی شروع ہو جاتا تو سانڈھنی بیٹھ جایا کرتی تھی۔ بوجھ اٹھا کر کھڑا نہ ہو سکتی تھی۔

ایک صحابیؓ عرض کرتے ہیں کہ حضورؐ آرام فرما رہے تھے اور آپؐ کا سر مبارک میری ران پر تھا۔ تو نزولِ وحی کی کیفیت طاری ہو گئی تو سرِ اقدس کا بوجھ اتنا تھا کہ میں سمجھتا تھا کہ میری ران کی ہڈی ٹوٹ جائیگی یعنی وہ جب تجلیات باری کا اور انوارات عالم بالا کا کلام باری کے ساتھ نزول ہوتا تو وہ حسی طور پر وجود اقدس کے وزن کو بڑھا دیتا۔

دوسرا یہ ہوتا تھا کہ حضورؐ پر غنودگی کی نیم بیہوشی یا نیند کی قسم کی حالت طاری ہو جاتی تھی اور خود حضور فرماتے ہیں کہ میں ان کو اسطرح سے سنتا تھا جیسے قافلے کی جرس (گھنٹی) بجتی جا رہی ہوتی ہے

یا اس طرح کی مختلف آوازیں۔ پھر ان سب حالتوں میں ظاہر ہے کلامِ باری اسطرح تو نہیں جس طرح میں اور آپ بات کر رہے ہیں۔ نہ اس کی کوئی جہت ہے۔ نہ اس کی کوئی مقدار ہے مقرر نہ اس کے الفاظ معین ہیں۔ وہ کسی لاوڈ سپیکر سے تو نہیں آئے گی۔ وہ تو سمت سے بالا ہے۔

جسطرح آپ کے ہاں مختلف اداروں میں خفیہ الفاظ ہوتے ہیں جنہیں آپ "کوڈ ورڈز" کہتے ہیں۔ تو بولنے والا کوڈ بول رہا ہوتا ہے اور سمجھنے والا سمجھ رہا ہوتا ہے دوسرا نہیں جان سکتا۔ اسی طرح ان گھنٹیوں کا بجنا۔ تو آپ نے ہمارے سمجھانے کیلئے کہا اگر تم سُن پاؤ تو تمہیں گھنٹی کی آواز سنائی دے۔ اگر تم سُن پاؤ جو کہ ممکن نہیں ہے، لیکن اگر ایسا ہو تو تم یوں سنو گے جیسے کوئی گھنٹی بج رہی ہے۔ لیکن حضور جب سنتے تھے تو یہ آیاتِ مبارکہ سنتے تھے اور انہی کو سمجھتے تھے۔ یہی انہیں ازبر ہوتی تھیں اور یہی ارشاد فرماتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ اللہ کے نبی اور رسول تھے۔ میں اور آپ نبی اور رسول نہیں ہیں۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ پہلے جو ٹیلیگرافی ہوتی تھی ایک تار کا بابو یہاں ڈاک خانے بیٹھا ٹک ٹک کر رہا ہوتا تھا۔ دوسرا سینکڑوں میل دُور بیٹھا اس کی ٹک ٹک کو سُن کر الفاظ لکھتا جا رہا ہے۔ اب میرے اور آپ کے لیے وہ محض ٹک ٹک تھی لیکن ان میں بعینہٖ اُنہی الفاظ کا تب دلہ ہوتا تھا۔ آپ ایک شخص کو دیکھتے ہیں وہ آڑی ترچھی لکیریں بنا رہا ہے اور آپ سارا صفحہ دیکھیں تو اس پر سوائے آڑی ترچھی لکیروں کے کچھ نہیں ہوتا لیکن جو شارٹ ہینڈ جانتا ہے، وہ جب اس صفحے کو دیکھتا ہے تو سارا پڑھ لیتا ہے کہ اس میں یہ لکھا ہوا ہے۔ یہی حال ہوتا ہے نورِ نبوّت کا کہ دوسرے آدمی کی گرفت سے وہ کیفیّت بالاتر ہوتی ہے۔ جبکہ نبی اس کو حسی طور پہ دیکھ بھی رہا ہوتا ہے اور سُن بھی رہا ہوتا ہے اور سمجھ بھی رہا ہوتا ہے۔ اس طرح نبوت ملنے سے نبی میں یہ استعداد پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ کلامِ باری کو سُنے سمجھے اور دوسروں تک پہنچائے۔ اسی طرح نبیؐ کی ذات پر ایمان لانے سے مومن میں یہ استعداد پیدا ہو جاتی ہے جو ارشاداتِ نبوی کو سمجھنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔ اور اگر ایمان نصیب نہ ہو تو یہ نعمت نصیب نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ کفار و مشرکین حضورِ اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر اعتراض کرتے تھے۔ یعنی ایک ایسا وجود

اقدس جسے اللہ نے مرقعِ خوبی وحسن تخلیق فرمایا جس کا وجود، جس وجود کا ہونا ہی کافروں کے لیے بھی باعث رحمت ہے۔ دنیا میں جو غذا، جو حیات جو زندگی اور جو ٹھکانہ انہیں نصیب ہے وہ بھی اللہ کی رحمت ہے اور اس وجودِ اقدس کے طفیل ہے۔

وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین۔

عالمین میں تو کافر بھی شامل ہیں تو بجائے اس کے ممنونِ احسان ہونے کے معترض کیوں ہیں۔ اس لیے کہ وہ اس کے کمالات کو نہیں دیکھ سکتے۔ ایک دفعہ غالباً گرگ کالج میں ایک پروفیسر نے یہ بات پوچھی تھی کہ نبیِ رحمت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرے آدمی اور اللہ کی رحمت سے محروم رہے۔ یہ دو باتیں ممکن نہیں تو پھر ابوطالب جو آپ کے چچا بھی تھے اور جنہوں نے آپ کی خدمت کے لیے جان تک کی بازی لگا دی۔ سارے وسائل صرف کر دیئے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ انہیں ایمان نصیب نہیں ہوا، کیا یہ عجیب بات نہیں۔ تو میں نے عرض کی کہ آپ تھوڑا سا بھول رہے ہیں۔ ابوطالب نے اللہ کے رسولؐ کے لیے کچھ بھی نہیں کیا۔ ابوطالب نے اپنے بھتیجے محمد بن عبداللہ کے لیے ساری محنت کی تھی۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کمال سے باخبر ہوتا تو یقیناً ایمان لے لاتا۔ یا تم ہی کہو اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ابوطالب کے بھتیجے نہ ہوتے کسی دوسرے خاندان سے ہوتے دعویٰ نبوت کرتے اور اس کے بدلے ایذا اٹھانا پڑتی تو کیا ابوطالب مدد کو بڑھتا؟ کہنے لگا ایسی تو کوئی بات نظر نہیں آتی چونکہ وہ نبی کو مانتا نہیں ہے تو وہ نبی کی خدمت کو کیوں بڑھے تو میں نے کہا پھر تم یوں کہو کہ ابوطالب نے اپنے بھتیجے کی حمایت کی۔ اللہ کے رسول کی حمایت نہیں کی۔ اور ایمان مشروط ہے۔ اللہ کے رسول کی خدمت کے ساتھ۔

تو جب ایمان نصیب ہوتا ہے تو یہ استعداد پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ اپنی حیثیت کے مطابق کمالات وعظمتِ نبویؐ کو سمجھے۔ ارشاداتِ نبویؐ کو سمجھے اور اسے ان کی عظمت کا اپنی حیثیت کے مطابق اندازہ ہو تو اگر یہ نصیب نہ ہو تو پھر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر بھی اعتراض ہی سوجھتے ہیں۔

تو یہاں اسی بات کی تائید فرماتا ہے اللہ کا قرآن، فرمایا کتنی ایسی حقیقتیں ہیں جن کی تمہیں خبر نہیں۔ تمہاری سماعت، تمہاری بصارت ان تک نہیں پہنچتی۔ مثلاً یہی دیکھ لو،

تسبح لہ السموٰت السبع والارض:

ساتوں آسمان اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ ساری زمین اور اس کا ہر ہر ذرّہ اللہ کی تسبیح بیان کرتا ہے۔ ومن فیھن اور جو کچھ زمینوں آسمانوں میں ہے وہ سارے کرتے ہیں۔ درخت ہیں دریا ہیں، چشمے ہیں سبزی ہے، پودے ہیں پھول ہیں پھل ہیں، جانور ہیں چرندے پرند ہیں، کیڑے ہیں، پتنگے ہیں۔ کتنی مخلوق ہے۔ اس طرح آسمانوں میں کتنی مخلوق ہے ان کو کوئی شمار نہیں کر سکتا۔ فرمایا کیا زمین پر بستے ہوئے تجھے یہ سنائی دیتا ہے تو تمہارے نہ دیکھنے سے یہ تسبیح کہنا چھوڑ تو نہیں دیتے وہ کہتے ہیں کرتے ہیں۔

فرمایا وان من شیٍٔ الا یسبح بحمدہٖ: کوئی شے جس کو ربّ نے وجود بخشا ہے وہ شے اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے۔

ولکن لا تفقھون تسبیحھم: لیکن یہ قصور اس طرف ہے کہ تم اس تسبیح کو سمجھ نہیں پاتے۔ جب نورِ نبوت دل میں در آتا ہے تو انسان کی مخفی قوتوں کو نورِ نبوت سے جلا ملتی ہے تو پھر وہ اس جگہ جا کھڑا ہوتا ہے جہاں صحابہ کرام سے یہ بات ملتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم کھانا کھانے بیٹھتے تھے تو جس روٹی سے ہم نوالے کھا رہے ہوتے تھے اس کی تسبیحات بھی ہم سن رہے ہوتے تھے۔

اسی طرح سے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ میں مکّہ کے ان درختوں اور پتھروں کو پہچانتا ہوں۔ جو بعثت سے پہلے بھی جب میں گذرتا تھا تو مجھ پر سلام کرتے تھے۔

اب جو نہیں سُنتا وہ تو کہتا ہے عجیب بات ہے یہ کہتا ہے درخت بات کرتا ہے یہ کہتا ہے زمین بات کرتی ہے یا پتھر میں تو نہیں کہتا۔ یہ تو ان کا خالق کہتا ہے جس نے مجھے اور تجھے بولنے کی توفیق دی ہے۔ وہ فرماتا ہے صرف تو ہی بات نہیں کرتا میں نے یہ زبان زمین کے ایک ایک ذرّے کو دی ہے۔ ایک ایک تنکے کو دی ہے۔ ایک ایک بوٹے کو دی ہے، ایک ایک گُل کی پتّی کو دی ہے:

ڈالی ڈالی پتّا پتّا حال ہمارا جانے ہے —
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

اگر تو اس علم سے محروم رہا اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کائنات بسیط نے اس کا ذکر چھوڑ دیا۔ پھر فرمایا ہر چیز کی زندگی میرا ذکر ہے۔ جس چیز سے جس آن ذکر چھوٹ جاتا ہے وہ فنا ہو جاتی ہے۔ جتنی مخلوق غیر مکلّف ہے جس پر تکلیف شرعی نہیں ہے۔ ان کی حیات کا مدار ذکرِ الٰہی پر ہے۔ جب وہ ذکر چھوڑ

دیتے ہیں۔ پہاڑ ذکر چھوڑ دے تو آتش فشاں بن جاتا ہے پھٹ جاتا ہے ٹوٹ جاتا ہے۔ ریزہ ریزہ ہوجاتا ہے۔ دریا ذکر چھوڑ دے خشک ہوجاتا ہے۔ جانور سے ذکر چھوٹ جائے مرجاتا ہے، درندے چیر کھاتے ہیں۔ شکاری کھا جاتے ہیں اور شکار کرنے والے سے ذکر چھوٹ جائے تو وہ خود شکار ہوجاتا ہے۔ یعنی کوئی شے سوائے مکلف مخلوق کے ایسی نہیں ہے جو اللہ کا ذکر نہ کرے اور اس کا وجود قائم رہے۔

ان من شیئ الا یسبح بحمدہ :

اس کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ جو ذکر کرتا ہے، تسبیح بیان کرتا ہے وہ شے ہے اور جو ذکر نہیں کرتی وہ شے ہے ہی نہیں۔

مستثنیات ہیں تخلیق باری میں

یہ بڑا عجیب ہے کارگاہِ حیات میں ایک عجیب نقطہ رکھا ہے، اسے مراد یہ ہے کہ ظاہر ہوتا رہے کہ اللہ اس کے خلاف کرنے پر بھی قادر ہے اور خدا کی تخلیق یا صنعتی امور میں خدا اسطرح کرنے پر مجبور نہیں ہے۔ جیسے انسان سے انسان کو پیدا فرمایا لیکن انسان جو تھا اسے اپنی قدرت سے بنا دیا۔ ہمیشہ عورت سے نسل چلتی ہے لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مرد کے بغیر، باپ کے بغیر پیدا کر دیا۔ یہ قانون ہے مرد عورت سے پیدا ہونا بچے کا اور قدرت ہے صرف عورت سے پیدا کر دینا۔ یہ استثنیٰ ہے مرد اور عورت سے نسل چلتی ہے لیکن عیسےٰ علیہ السلام کو مرد کے بغیر، باپ کے بغیر پیدا کر دیا

مثلاً نر اور مادہ سے نسل چلتی ہے لیکن خچر کا نہ نر بچہ دیتا ہے نہ مادہ بچے جنتی ہے اور اس کی نسل باقی ہے۔

اسی طرح ہر جانور کا خوراک کھاتے ہوئے نچلا جبڑا حرکت کرتا ہے اور اوپر والا فکس ہوتا ہے۔ مگرمچھ کا اوپر والا حرکت کرتا ہے نچلا فکس ہوتا ہے استثنیٰ ہے۔ اس میں ہر شے کے اندر دو پھیپھڑے ہوتے ہیں سانپ کا ایک ہوتا ہے۔ ہر چیز ہاتھ پاؤں سے چلتی ہے۔ سانپ پسلیوں سے چلتا ہے بالکل ایک علیحدہ ہے استثنیٰ۔ کسی جانور کے ناک میں پانی ڈال دو وہ مرنے لگتا ہے، ہاتھی پہلے ناک میں بھرتا ہے پھر پیتا ہے۔

اسی طرح آپ چلتے جائیں۔ تو میں نے ایک دفعہ بہت سی چیزیں جمع کی تھیں ہر جانور زندہ ہوتا ہے تو وہ انڈے

دیتا ہے، بچے ہوتے ہیں۔ کوکنس ایک پرندہ ہے وہ گھونسلے بنا کر بیٹھ جاتا ہے اور مختلف سُریں نکالتا ہے۔ اتنا سوز ہوتا ہے اس کی سُروں میں گھونسلے کو آگ لگ جاتی ہے وہ جل کر خاک ہو جاتا ہے اس راکھ پہ جب کوئی بارش کا قطرہ گرتا ہے اسمیں انڈہ بن جاتا ہے۔ سورج کی گرمی سے پھر اس میں سے کوکنس کا بچہ نکلتا ہے۔ یعنی یہ استثنا کہ زندہ سے نسل چلتی ہے وہ مرکر بچہ دیتا ہے۔ اسی طرح ہر جانور نر اور مادہ وطی کرتے ہیں، نسل چلتی ہے لیکن مور وطی نہیں کرتا۔ آپ دیکھتے ہیں کہ بچے مور کے پروں کو قرآن میں سجائے پھرتے ہیں، یہ وطی نہیں کرتا۔ وہ جب مستی میں آتا ہے ناچتا ہے تو اس کی آنکھوں میں پانی آجاتا ہے اور وہ مادہ پی لیتی ہے اور وہ انڈے دیتی ہے۔ یہ استثنا ہے باب الذکر میں بھی محققین نے مستثنیات کے باب کو شامل کیا ہے اور فرمایا دو جانور مستثنیٰ ہیں ایک خنزیر اور ایک گدھا۔ یہ ذکر نہیں کرتے اور پھر زندہ ہیں۔ یہ آیت کریمہ ہے نا، وان من شیٔ الا یسبح بحمدہٖ۔ کہ کوئی وجود ایسا نہیں جو اللہ کا ذکر نہ کرتا ہو۔

سوائے مکلف کے۔ مکلّف کو تو ایک مدت تک مہلت دے دی گئی چاہے ذکر کرے چاہے ذکر نہ کرے اس کا حساب ہوگا۔ جو مخلوق مکلّف نہیں ہے ان کا حساب یہی ہے کہ جیسے ان کا ذکر چھوٹا فنا ہو گئے۔ تو محققین فرماتے ہیں کہ دو جانور ایسے ہیں جن میں استثنا ہے ایک گدھے کو اور ایک خنزیر کو کہ انہیں ذکر نصیب نہیں ہوتا — تو ارشاد ہوتا ہے ہر چیز اللہ کا ذکر کرتی ہے " ولکن لا تفقھون تسبیحاھم؛ لیکن اے عام انسانوں باعتبار عمومیت کے تم اسے نہیں سمجھ سکتے۔

"انہ کان حلیماً غفورا"

وہ کتنا بردبار ہے کہ پھر تمہاری کوتاہیوں کو برداشت کرتا ہے اور کتنا کریم ہے کہ اگر ساری کوتاہیوں کو کرنے کے بعد اس کے دروازے پر آجاؤ تو یک آن معاف کر دیتا ہے۔ انہ کان حلیماً غفورا؛ اس کا حلم یہ ہے کہ تم مسلسل اس زمین پر ظلم کرتے ہو جس کا ذرہ ذرہ ذکر کر رہا ہے۔ تم اس فرش پر اس کی نافرمانی کرتے ہو جس فرش کا ہر ذرہ اس کی پاکی بیان کر رہا ہوتا ہے۔ تم اس چھت کے نیچے اس کی نافرمانی کرتے ہو جس چھت کا ہر تنکا اس کی تسبیح بیان کر رہا ہوتا ہے۔ لیکن کتنا تحمل ہے اس کا کہ وہ پھر درگذر

کرتا ہے اور تمہیں مہلت دیتا ہے ۔ اور کتنا کریم ہے کہ یہ سب کچھ کرنے کے بعد جب تم کہہ دیتے ہو خدایا میں نے ظلم کیا ہے ، میں نے زیادتی کی ہے تو وہ سارا نامۂ اعمال تمہارا معاف کر دیتا ہے اِنَّہٗ کَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا : کتنا بردبار اور کتنا کریم ہے ، کتنا معاف کرنے والا ہے ۔

تو یہ وہ دولت ہے ، وہ علم ہے ، وہ نور ہے جس کے متعلق میں نے صبح عرض کیا تھا کہ جب ایمان نصیب ہوتا ہے تو ان مخفی قوتوں میں دیکھنے ، سننے سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے اور پھر یہ ساری باتیں عام آدمی سن نہیں سکتا ، دیکھ نہیں سکتا ، جس کا قلب منور ہو جائے ، اللہ قوت مشاہدہ دے دے تو پھر وہ دیکھتا بھی ہے سنتا بھی ہے ، سمجھتا بھی ہے ۔ لیکن یہ نورِ نبوت سے حاصل ہوتا ہے ۔ اس سے اگلی آیت پھر اس کی موید ہے ۔ فرمایا ، واذا قرأت القرآن : اے میرے حبیب ﷺ جب تو قرآن پڑھتا ہے تو لوگ آخرت سے ، آخرت کے ساتھ ایمان لانے سے ، تیری ذات کے ساتھ ، ایمان لانے سے اللہ کے ساتھ ایمان لانے سے محروم ہیں ۔

جعلنا بینک وبین الذین لا یومنون بالآخرۃ حجابا مستورا : تیرے اور لوگوں کے درمیان ایک پردہ حائل ہو جاتا ہے نہ انہیں تیری زبان کی شیرینی محسوس ہوتی ہے نہ تیرا اندازِ بیان متاثر کرتا ہے ۔ نہ قرآن کے دلائل متاثر کرتے ہیں ۔ نہ قرآن کے انوارات متاثر کرتے ہیں ۔ کیونکہ وہ قوت جس میں ان سب کو چکھنے کی استعداد تھی اس کو نورِ نبوت سے جلا نہیں ملی وہی قوت جو سمجھنے ، چکھنے اور سننے کے لیے تھی بجائے خود وہی ایک حجاب بن گئی ۔

آپ دیکھیں جو شخص جو کچھ کھاتا ہے آپ آم کھائیں یا مرچ کھائیں اس کا ذائقہ صرف زبان پر محسوس ہوتا ہے ۔ زبان پر کوئی ایسی دوائی لگا دیں جو اسے چند لمحوں کے لیے ، آدھے گھنٹے کے لیے بے حس کر دے ۔ تو آپ آم کھائیں یا بھوسہ کھائیں برابر ہوگا ۔ کوئی فرق نہیں پڑے گا ۔ آپ مرچیں کھائیں یا چینی کھائیں اگر زبان بے حس ہو جائے تو چینی میں اور مرچوں میں کوئی فرق نہیں ہوگا ۔ پیٹ میں صرف اثر محسوس ہوتا ہے ذائقہ محسوس نہیں ہوتا ۔ ٹیسٹ جو ہوتا ہے وہ حلق سے اوپر ہوتا ہے ۔ اب اگر کسی کا یہ حصہ ہی بے حس ہو جائے تو آپ اسے اچھی سے اچھی مزے دار غذا دیتے رہیں وہ کہے گا یار پیٹ بھر لیا تو نے یہ کیا مٹی مجھے پھانکنے کو دی ۔

بالکل یہی حال ارشاداتِ نبوی ﷺ اور

آیاتِ الٰہیہ کا ہوتا ہے۔ جب یہ دل بے حس ہو جائے اور اس کی حس بیدار ہوتی ہے نورِ نبوت سے، صمیم قلب سے، جب ایمان نصیب ہو تو اس میں زندگی آجاتی ہے۔ وُہ زندگی اس کو لذت آشنا کرتی ہے نبیؐ کے کلام سے وُہ زندگی اس کو لذت آشنا کرتی ہے۔ نبی کے کلام سے وُہ زندگی اس میں یہ استعداد پیدا کرتی ہے کہ آیت الٰہی سے اسے لذت محسوس ہو، ذکرِ الٰہی سے لذت محسوس ہو۔ نیک کام سے نیک بات سے نیک خیال سے یہ لذت حاصل کرے۔

یہ بھول نہ جائیں کہ نبی کے بغیر کوئی بھی معصوم نہیں ہوتا۔ خطا ہو سکتی ہے۔ انسان فرشتہ نہیں ہوتا، گناہ ہو سکتا ہے۔ لیکن گناہ لذت نہیں دیتا کڑوا لگتا ہے۔ جب دل زندہ ہو جائے تو تبقاضائے بشریت اگر انسان گناہ کر بیٹھے تو وُہ گناہ اسے لذت نہیں دیتا، پریشان کر دیتا ہے اور فوراً توبہ کرتا ہے۔ یہی دلیل دی ہے قرآنِ حکیم نے:

لم یصروا علیٰ ما فعلوا

خطا کر بیٹھے تو خطا کو غذا اور پیشہ نہیں بنا لیتا۔ لیکن دل مر جائے تو نیکی پھیکی لگتی ہے اسے گناہ میں لذت ملتی ہے اور نیکی اسے پھیکی پھیکی لگتی ہے۔ نیک لوگوں کو دیکھ کر یہ ہنستا ہے۔

یہ کہتے بیوقوف ہیں، کیا لیتے ہیں گھر چھوڑ کر، یہاں یہ کیوں اٹھ بیٹھ رہے ہیں۔ یہ کس چیز نے پاگل کر دیا کہ دیوانہ وار بیت اللہ کے گرد بھاگ رہے ہیں۔ یہ پاگل ہیں، یہاں کیا ملتا ہے۔ یہ چکر کاٹ کر یہ دوڑنے بھاگنے سے کیا ہوگا؟ ایک مکان درمیان میں کھڑا ہے، بے شمار لوگ بھاگ رہے ہیں۔ یہ کیا کہتے ہیں؟ مسجدِ نبوی ہے، روضہ اطہر ہے اللہ کا ایک بندہ تھا دنیا سے گذر گیا۔ اب اس پر مکان ہو تو کیا فائدہ؟ نہ ہو تو کیا فائدہ! لیتے ہیں وہاں جا کر کیا۔

مَیں نے مکہ مکرمہ میں ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ بے وقوف ہیں۔ ہزاروں روپے خرچ کر کے یہاں کیا لینے آتے ہیں۔ کیا ہو گیا ہے انہیں کیوں دیوانہ وار بھاگ پھر رہے ہیں۔ وُہ ایسا کیوں کہتے ہیں۔ جب کہ آپ کا ایک دیہاتی جنگلی، صحرائی، بادیہ نشین، ریوڑ چرانے والا جنگل میں رہنے والا تڑپتا ہے کہ خدایا مجھے اپنے حرم لے چل۔ اور وہاں بیٹھا ہوا شخص یہ کیوں کہتا ہے کہ یہ پاگل ہے اس لیے تڑپتا ہے کہ اس کے دل میں تھوڑی سی زندگی کی حرارت ہے یہ ایمان کی بدولت ہے اور اسے وُہ سب کچھ جو پھیکا لگ رہا ہے وُہ خواہ وہاں بیٹھا ہے اس کے دل میں زندگی کی رمق نہیں ہے۔ اُسے لذت اس میں سے ملیشٹ

(Taste) نہیں ملتا۔ وہ اپنے محسوسات بیان کر رہا ہے، یہ اپنے محسوسات بیان کر رہا ہے یہی بات میں نے صبح آپ سے عرض کی تھی کہ انسان کو اللہ نے مخفی قوتوں کا خزانہ دیا ہے۔ اب وہ شیلی پیتھسٹ بن جائے، اس کی مرضی، مسمریزم پہ لگ جائے اس کی مرضی، اور اگر شعبدہ باز بن جائے اس کی مرضی۔ ابلیس کے ساتھ رابطہ پیدا کر کے سفلی علوم کا ماہر بن جائے اسکی مرضی۔

اصل مصرف ان قوتوں کا یہ ہے کہ صمیم قلب کے ساتھ نبی پر ایمان لاتے اور نور ایمان سے اپنے دل کو زندہ کرے کہ اس پہ مزید ترقی یہ ہے کہ ان برکات کو تلاش کرے جو صحبت نبوی سے ملتی ہیں۔ یعنی ایمان لاکر زندگی تو پیدا ہو گئی لیکن حقیقی قوت تب نصیب ہوگی یعنی زندہ ہونا اور بات ہے اور صحت مند، جوان اور پہلوان ہونا اور بات ہے۔ ہم سب زندہ ہیں لیکن ہم میں کوئی بھی پہلوان تو نہیں، کوئی بھی اکھاڑے میں اترنے کی جرأت تو نہیں کرے گا۔ زندہ ہونا ایک درجہ ہے صحت مند ہونا دوسرا درجہ ہے اور پہلوان ہونا تیسرا درجہ ہے۔

اسی طرح ایمان لانا ایک درجہ ہے اور برکات صحبت کو حاصل کرنا گویا میدان حیات میں پہلوان بننا ہے۔ وہ فیوضات وہ برکات جو صحبت نبوی میں تقسیم ہوئے۔ پھر آپ کے صحابہؓ کی صحبت میں بٹے۔ پھر ان کے شاگردوں کی صحبت میں بٹے اور اہل اللہ نے ہم تم نے بیچا ہی کیا میں تو کہوں گا یہ جو آیت کریمہ ہے:

ان اللہ اشتری من المومنین انفسہم واموالہم: یہ ہے ہی اہل اللہ کے حق میں فی الواقع ان لوگوں نے سب کچھ بیچ رکھا ہے ما وشما یہ ہر کسی کا کام نہیں۔ یہ انہیں اولوالعزم لوگوں کا حوصلہ ہے کہ جن کے گھر، جن کی قوتیں، جن کی طاقتیں، جن کے علوم، جن کے اختیارات جن کا مال ہر چیز ایک ہی مصرف پہ صرف ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس لیے کہ وہ اس لذت سے آشنا ہوتے ہیں۔

ع ذوق ایں مے نہ شناسی بخدا تا نہ چشی۔

جب تک کوئی لذت آشنا نہ ہو، چکھ نہ لے وہ اس کے لیے دیوانہ کیوں ہے۔ تو یہ فیض صحبت جب تک دل پر وارد نہ آئے اس کا کوئی شمہ اس کی طلب بھی پیدا نہیں ہوتی۔ جو کچھ میں نے صبح عرض کیا تھا ان آیات مبارکہ سے اس کی مزید تفصیل یا توضیح یا تائید حاصل ہوئی کہ اللہ کریم فرماتے ہیں آسمان، زمین اور جو کچھ ان میں ہے۔ ہر آن میری تسبیح بیان کرتا ہے۔ جو تسبیح بیان نہیں کرتی شے اس کا وجود ہی نہیں رہتا۔

لیکن تم یوں نہیں سمجھ سکتے۔ اسے تمہارے

اسے تمہارے یہ کان، تمہاری یہ آنکھیں۔ تمہاری یہ زبان اس بات کو نہیں پا سکتی۔ اور پھر میرے نبی تو جب قرآن تلاوت کرتا ہے اپنی زبان سے تو البتہ اس زبان سے نکلے ہوئے الفاظ مومن بھی سنتا ہے اور کافر بھی سنتا ہے لیکن مومن کو دوسری لذت دیتا ہے۔ کافر پر دوسرا اثر مرتب ہوتا ہے۔ وہ تائید کرتا ہے، وہ تنقید کرتا ہے۔ وہ اس پر فدا ہوتا ہے وہ اس کو مٹانے کے لیے بڑھتا ہے۔ اس لیے کہ جو استعداد میں نے اسے دی تھی مومن نے اس کو صحیح مصرف پر لگایا اور کافر نے اسے ضائع کر دیا۔

فرمایا جب آدمی اس قوتِ باطنی کو، مخفی کو غلط راستے پہ لگاتا ہے مس یوض (Misuse) کرتا ہے تو اللہ کریم اس کی سزا یہ دیتے ہیں:

وجعلنا علیٰ قلوبھم اکنۃ ۔ ۔ ۔ ۔ یفقھوہ۔

کہ دل پہ ایک پردہ ڈال دیتے ہیں کہ وہ کبھی سمجھ نہیں پاتا۔ گویا یہ تفقہ جو ہے دین کا اور دینی کلمات کا۔ اور دینی علوم کا اور ارشاداتِ پیامبر صلے اللہ علیہ وسلم کا اور ارشاداتِ باری کا یہ تفقہ دماغ کا کام نہیں ہے یہ کام ہی دل کا ہے اور انسانی جو مظالم ہیں اس کی سزا یہ ہوتی ہے کہ خدا دل سے اس تفقہ کی استدعا کو سلب کرلے تو گویا دین کا اور ارشاداتِ باری کا اور ارشاداتِ پیامبرؐ کا موضوع ہی قلب ہے قلب میں اور دل میں یہ قوت پیدا ہوتی ہے کہ وہ ارشاداتِ نبوی کی باریکیوں کو، لذتوں کو قابو کرے، سمجھ سکے اور اگر دل نہ سمجھ سکتا ہو تو دماغ تو تعریف کر کے ختم کر دیتا ہے۔

دماغ کا سمجھنا کیا ہے۔ کسی نے اچھا شعر کہا، واہ واہ کر دی اور ختم۔ کسی نے اچھی بات کہی، واہ واہ کر دی اور ختم۔ کسی نے اچھی حضورؐ کی حدیث مبارک پڑھی، دماغ نے سنی اس نے کہا واہ واہ کیا کہنے سبحان اللہ اور اٹھ کر گھر چلے گئے یعنی شعر سننے سے جتنا اثر مرتب ہوا تھا، ایک جملہ کسی مقرر کا سننے کا جتنا اثر مرتب ہوا تھا اتنا ہی ایک حدیثِ پاک سننے سے مرتب ہوا، کوئی فرق نہ پڑا۔ شعر سنا واہ واہ کہہ دی حدیثِ پاک سنی واہ واہ کہہ دی۔ اب ایک شاعر نے شعر پہ قتل ہونے یا قتل کرنے کی ترغیب دی ہے، ہم شعر کی بندش پہ واہ واہ کر کے گھر چلے جاتے ہیں، قتل ہونے کے لیے تو نہیں بڑھتے اسی طرح حدیثِ پاک میں عمل کرنے کا حکم سنتے ہیں تو واہ واہ مولانا نے کمال کر دیا کہہ کر گھر چلے جاتے ہیں۔ عمل کو نہیں بڑھتے۔

تو مطلب یہ ہوا کہ دل نے اس بات کو نہیں سمجھا۔ محض کانوں نے سنی، ذہن نے پرکھی

اور ختم ۔ اور جب دل پر سے یہ پردہ اٹھتا ہے، اور دل میں استعداد تفقہ اور سمجھ کی استعداد پیدا ہوتی ہے بات تب بنتی ہے ۔ تو پھر جب دل بات سمجھتا ہے تو وہ اس پر نچھاور ہو جاتا ہے پیچھے نہیں ہٹتا ۔ اسی لیے آپ صحابہ کرام کی مبارک زندگیوں کو دیکھیں تو انہوں نے ایک ایک حکم کے لیے گھر لٹا دیئے کوئی حکم نہیں تھا ۔ حضورؐ نے سب سے پہلے کہا کہ دو لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ نہ نماز فرض، نہ روزہ فرض نہ حج نہ جہاد ۔ سارا کفر اس بات سے روکتا رہا مت کہو، وہ کہتے رہے کہ ہم تو کہتے رہیں گے ۔ مر جائیں، لٹ جائیں اجڑ جائیں لیکن یہ ضرور کہیں گے لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ : کتنی عجیب بات ہے کیا وہ دیوانے ہو گئے تھے ۔ دیوانے نہیں تھے، ان کے دل نے یہ بات پالی تھی ۔ نگاہِ مصطفوی نے دلوں سے حجاب ہٹا لیے تھے ۔ اور ہم پر اثر نہیں ہوتا شاید کہیں ہمارے دل بیمار نہ ہوں، پس دلدار نہ ہوں ورنہ تو جب یہ لذت ملتی ہے کہتے ہیں :-

ے اللہ کرے عشق کا بیمار تجھے بھی
روتا ہوا دیکھوں پسِ دیوار تجھے بھی

پھر تو یہ دل ایسا جاتا ہے کہ دنیا میں کوئی ایسا محبوب ہے ہی نہیں جیسا محبوب اللہ کا رسول ہے صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم حسنِ سیرت ہو حسنِ صورت ہو، حسنِ قامت ہو، حسنِ عقائد ہو، حسنِ پیام ہو، حسنِ اخلاق ہو ۔ کسی سمت سے آؤ تو سارے کا سارا حُسن حضور کی جوتیوں میں بٹتا ہے ۔ اگر کوئی دیکھ لے تو پھر وہ وہاں سے اٹھتا نہیں ہے ۔ اٹھنے کے قابل ہی نہیں رہتا ۔ اٹھ سکتا نہیں، چھوڑ کر جا نہیں سکتا لیکن تب جب دل دیکھ لے ۔

اللہ کریم ہم سب کو، حاضر و غائب تمام مسلمانوں کو یہ نعمتِ عظمیٰ نصیب فرمائے ۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

رحمتِ باری

بیان حضرت مولینا محمد اکرم اعوان صاحب مدظلہ

اللہ کریم جل شانہ نے اس کارگہ کائنات کا سارا مدار اپنی رحمت پر رکھا ہے۔

رحمت باری کے دو شعبے ہیں "رحمانیت" اور دوسری "رحیمیت"۔ آپ سب پڑھتے ہیں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ رحمان اور رحیم دو نہایت وسیع الفاظ ہیں۔ رحمن عربی میں ایک خاص مفہوم رکھتا ہے۔ اس وزن کے تمام الفاظ عطشان، غضبان، ان میں لمحاتی یا وقتی اثر پایا جاتا ہے۔ جیسے سخت غصے میں ہونا وقتی کیفیت ہے۔ عطشان (پیاس) ایک ایسی صفت نہیں جو ہمیشہ رہے۔ اسی وزن پر رحمان کا لفظ ہے۔ رحمت باری ایک مقررہ مدت کے اندر اپنا اثر رکھتی ہے اور ظاہر ہوتی ہے۔ موت سے پہلے یا قیامت تک رحمت باری سے تمام مخلوق فیضیاب ہوتی ہے: کافر کو بھی رزق دیا جاتا ہے اور مومن کو بھی۔ دوسرا وصف رحیمیت کا ہے۔ اس وزن کا لفظ حکیم عارضی وصف نہیں۔ رحیم کے مفہوم میں جو رحمت شامل ہے وہ ہمیشہ رہنے والا وصف ہے۔

رحیمیت سے علی الدوام ہوتی ہے اس میں سے کافر کو حصہ نہیں ملتا۔ کفر پر اگر کسی کی موت واقع ہو تو اس کے لیے دعا یا شفاعت آخرت میں مددگار ثابت نہیں ہو سکتی۔ کفر کی وجہ سے اس نے اپنا حصہ ختم کر دیا۔

مخلوق خدا کے لیے ساری رحمت کا مرکز حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ خداوندِ کریم نے رحمتِ عامہ اور رحمتِ خاصہ کو یکجا فرما دیا۔ آقائے نامدار کے وجودِ اقدس سے بخشش کے سوتے پھوٹے اور عالم انسانیت کو سیراب کرتے چلے گئے اور کرتے چلے جائینگے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا ہم اس وجود مبارک سے صرف رحمانیت کی برکات حاصل کر رہے ہیں یا رحیمیت سے بھی کوئی بہرہ نصیب ہے۔ سب سے بڑی خوش نصیبی جو اس دنیا میں

کسی کو مل سکتی ہے، وہ ہے:

یَهۡدِیۡۤ اِلَیۡهِ مَنۡ یُّنِیۡبُ ۔

(جو اس کی طرف متوجہ ہو اس کی ھدایت کی جاتی ہے۔)

جس دل میں اللہ کی طرف تڑپ پیدا ہو، اسے ایسے لوگوں کی طرف پہنچا دیا جاتا ہے جو اطاعت گذار ہوں۔ مفسرین اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جب کوئی دل اللہ سے ملنے کے لیے بے قرار ہوتا ہے تو اُسے ایسے لوگوں کی صحبت میسّر آجاتی ہے جو اس کا نام لینے والے ہوں۔ سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ کوئی ایسا سبب بہم پہنچ جائے کہ قلبی طور پر حضور اکرم ؐ سے وابستہ کردے۔ اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

اس دنیا میں جتنی نعمتیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہیں ان میں سب سے قیمتی نعمت یہ ہے۔ اس دنیا کی مار دھاڑ، چیخ و پکار اور ہا ؤ ہو میں اگر کوئی ایسا ذریعہ میسّر آجائے جو میرے آپ کے دِل کا تعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا دے تو اس سے زیادہ قیمتی بات کوئی نہیں ہو سکتی۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی چھوٹی سی ندی یا نالے کو سمندر سے جوڑ دیں۔

سلاسلِ تصوف کا اصل کام یہی ہے جہاں سے کامل اٹھتے ہیں وہاں ان کے بعد کمزور قابض ہو جاتے ہیں۔ لوگوں کو رسومات میں الجھا دیتے ہیں۔ اور اللہ کا راستہ دکھانے کی بجائے اپنی شخصیّت کے طلسم میں گرفتار کرنے کے چکر میں پڑ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو نعمت عطا فرمائی ہے وہ بہت قیمتی بھی ہے اور نایاب بھی۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ "الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ" میں فرماتے ہیں کہ نسبتِ اویسیہ عجیب شئے ہے۔ اس کے حامل کبھی دنیا میں ناپید ہو جاتے ہیں، یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس دنیا میں سرے سے کوئی رہا ہی نہیں۔ یکایک چشمے کی طرح یہ نسبت پھوٹتی ہے اور صحرا و دریا کو ایک کر دیتی ہے۔ سب کو اس چشمۂ صافی پر پہنچا دیتی ہے۔ جو اس وقت زمین کی تہوں سے نکل کر کائنات کے ذرّے ذرّے کو سیراب کرنے کے لیے آیا ہے۔ منبع پر پہنچنے والے خوش نصیب ہوتے ہیں۔ جس طرح یہ نعمت ہم تک پہنچائی گئی ہے ہمارا فرض ہے کہ اسے انتہائی حفاظت سے رکھیں۔ اصلی صورت میں آنے والی نسلوں تک پہنچائیں۔ خدا نہ کرے کہ اتنی بڑی نعمت کے ہوتے ہوئے سستی قسم کی شہوات میں پڑ جائیں۔ اس طرح ہم اپنی طرف سے کہیں آنے والی انسانیت کو محروم کرنے

کا سبب نہ بن جائیں۔ جتنی بڑی دولت یہ ہے اتنی ہی بڑی جواب طلبی بھی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے ہم سب پر کہ اس گئے گذرے وقت میں حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی صورت میں ایک ایسا بندہ ملا جو صدیوں کا سینہ چیر کر اس دور کے لوگوں کو براہ راست دربارِ نبوی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جا کھڑا کیا۔

۱۴ سو سال کے بعد کے اس گئے گذرے دور کے ناکارہ بدکار اور گئے گذرے جو بھی پہنچے اور طالب بن کر آئے ان کا ہاتھ پکڑ کر خود رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ اقدس پر رکھ دینا بہت بڑی نعمت ہے۔

نعمت سے کا قدر شناسی سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ ناقدری سے نعمت ضائع ہو جاتی ہے۔ انسان خطاکار ہے۔ گناہ کر سکتا ہے۔ اس سے کوتاہیاں سرزد ہو سکتی ہیں۔ لیکن خدارا ناقدری کا گناہ نہ کریں۔ اسکی سزا بڑی سخت ہے۔ ناقدری کی جائے تو یہ نعمت سلب ہو جاتی ہے پھر جہاں سے یہ سلب ہوتی ہے وہاں پلٹنا محال ہوتا ہے۔ دریا برد زمین مشکل ہی سے آباد ہوتی ہے۔ میری گذارش ہے کہ جو جی چاہے کریں۔ ہر فرد کا معاملہ اللہ رب الکریم کیساتھ ہے وہ بڑا غفور الرحیم ہے لیکن خدارا اس نعمت کی ناقدر شناسی نہ کریں۔ آپ نے قدر جانی تو یہ قیمتی دولت آپکے پاس رہیگی۔ ورنہ دنیا اور آخرت دونوں میں مصیبت بن جائیگی۔ یہاں گناہ ہوا ہے اور وہاں غضب الٰہی سے بچیں۔ استقامت چاہیں کبھی بھی ذکر الٰہی کو نہ چھوڑیں۔

اللہ کریم ہم سب کو استقامت عطا فرمائے

آمین!

خواب اور تعبیر خواب

ایک بچیؓ کا خواب جو گریجوائٹ ہے اور سلسلۂ عالیہ میں بیعت ہونے کا شرف پایا ہے، کیسی قبولیت سے نوازا گیا ہے، ملاحظہ فرمائیں!

پچھلے دنوں میں نے ایک خواب دیکھا بیعت ہونے کے پانچ چھ روز بعد۔

خواب کچھ یوں سے تھا کہ کافی سارے لوگ قطاروں میں کھڑے ہیں اور ان میں کاغذات بانٹے جا رہے ہیں۔ اور خیال یہ ہے کہ یہ کاغذات جائیداد کے ہیں۔ ان قطاروں میں انبیاء کرام اور ولی اللہ بھی کھڑے ہیں۔ ایک قطار میں میں بھی کھڑی ہوں۔ رسولِ پاک بھی اس تقریب میں ہیں۔ کچھ دیر بعد حکم ملتا ہے، (پیغمبر پاک کی طرف سے) کہ باقی سب لوگ تو چلے جائیں لیکن انبیائے کرام رسولِ پاکؐ سے علیحدہ ملنے کے لیے ایک طرف آجائیں۔

پھر میں نے دیکھا کہ میں وہ کاغذ (جو ملا ہے) لیکر آنحضرتؐ کے پاس آتی ہوں اور انہیں دیتے ہوئے کہتی ہوں کہ میں نے اپنی جائداد آپؐ کے سپرد کی۔ آپ اسے جہاں چاہیں خرچ کریں۔ خواہ کسی دینی ادارے میں دے دیویں (یہاں دینی ادارے سے میری مراد دارالعرفان ہے) رسول پاکؐ مجھ سے پوچھتے ہیں کسی ادارے میں دے دوں؟ میں کہتی ہوں کہ میں نے یہ کاغذات آپؐ کے سپرد کیے آپؐ جو مرضی سے کریں۔ یعنی میں نے اپنی جائداد آپ کے سپرد کر دی ہے اس کا کچھ بھی کریں، جو جی چاہے کریں۔ اپنے طور میں وہ کاغذات آپؐ کو دے دیتی ہوں اور مجھے اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں کہ رسول اللہ اس کا کیا کرتے ہیں۔

مجھے سمجھ نہیں آتا کہ میں کیا کروں؟ یعنی اس خواب کی تعبیر کیا ہے؟ مجھے کیا کرنا چاہیئے! میرا یہ مسئلہ تو حل کیجیے!

الجواب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

آپ کا خواب اور اس کی تعبیر بڑی واضح ہے۔ اول تو یہ قبولیت سلسلہ کی دلیل ہے کہ آپ کا بیعت ہونا محض رسم دنیا نہیں بلکہ واقعی رسول اللہ صلے اللہ وآلہ وسلم کی ذات والاصفات سے رشتہ قائم کرنا ہے اور بیعت لینے والا محض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم۔ دوسرا مطلب بیعت کے معانی کا ارشاد ہے کہ جو "جب لُداد" یعنی اختیار آپ کے پاس تھا آپ نے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے قدموں پہ نچھاور کردیا۔ اب آپ پوری زندگی ہر کام سنت خیر الانام صلے اللہ علیہ وسلم کے مطابق کرنے کی پوری پوری کوشش کریں گی۔ توفیق اللہ کریم کے پاس ہے۔ آپکو اپنی خوش نصیبی پہ بجا طور پر ناز ہونا چاہیئے کہ لوگ مدتوں مجاہدے کرتے ہیں پھر بھی سب کو خواب میں زیارت نصیب نہیں ہوتی۔ نجانے کس خلوص سے آپ نے چادر کا پلّو تھاما کہ اسقدر شرف قبولیت نصیب ہوا۔ اب آپ محنت کریں کہ یہی زیارت بیداری میں نصیب ہو جو سلسلۂ عالیہ کی خصوصیات میں سے ہے۔

والسلام۔

فقیر محمد اکرم عفی عنہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تبصرۂ کتب

ماہنامہ "الفاروق" افغان جہاد نمبر سرپرست: شیخ الحدیث حضرۃ مولانا سلیم اللہ خان

مدیر: عبید اللہ خالد ربیع الاول ۱۴۰۶ھ

ابوحارث

جہاد افغانستان گذشتہ سات برس سے مسلسل ہو رہا ہے۔ لیکن اس کے بارے میں ہمارے یہاں صحیح معلومات کی بے حد کمی پائی جاتی ہے۔ روس کی افواج انسانیت کش جرائم میں ملوّث ہیں۔ افغانستان کے بوڑھے، عورتیں اور بچے تک ان کے گولوں اور بموں کی زد سے محفوظ نہیں۔ اس صورتحال کے بارے میں رائے عامّہ کو آگاہ کرنا بے حد ضروری ہے۔ امتِ مسلمہ اس معاملے میں مجرمانہ بے حسی اور تغافل کا شکار ہے۔ جب جہاد ایک جگہ ہو رہا ہو تو اس کی مدد مشرق سے لیکر مغرب تک کے مسلمانوں پر واجب ہو جاتی ہے۔ لیکن یہاں سرے سے جہاد ہی کے بارے میں معلومات ندارد ہیں۔

"الفاروق" کا جہاد نمبر اس کمی کو احسن طریقے سے پورا کرتا ہے۔ یہ ادارہ قابل صد مبارک باد ہے کہ اس نے اپنی ایک ٹیم افغانستان بھیجی جس نے وہاں کے واقعات وحالات کا بذات خود مطالعہ کیا۔ اور "الفاروق" نے عربی کے بعد "الفاروق" اردو کا جہاد نمبر بھی تیار کیا۔ جہادِ افغانستان میں علمائے کرام قیادت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ اس پہلو کو خاص طور پر اجاگر کیا گیا ہے۔ ایک طرف ان نوجوان طلبہ کے حالات دیئے گئے ہیں جو خود افغانستان جاکر جہاد کرتے رہے ہیں۔ تو دوسری طرف جہاد میں علماء کے کردار پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مختلف جہاد کرنے والی تنظیموں کے کوائف بھی دیئے گئے ہیں۔ اسی طرح جہاد کے بارے میں پاکستان کے بلند پایہ اردو شعراء کی نظمیں بھی پرچے کی زینت بنی ہیں۔

جہاد افغانستان کے بارے میں رنگین تصاویر بھی دی گئی ہیں۔ اور اس بات کا اہتمام بھی کیا گیا ہے کہ انسانی چہروں کو سیاہ دائرے کے ذریعے مٹا دیا گیا ہے۔

تاکہ شرعی اعتبار سے حرف نہ آئے۔

کیا ہی اچھا ہو اگر ملک کے دوسرے دینی و علمی پرچے بھی "الفاروق" کی مثال کو پیشِ نظر رکھیں۔ اور اسی نوع کے افغان جہاد نمبر نکالیں تاکہ ملک میں رائے عامہ کو افغانستان میں جہاد کی صورتِ حال سمجھنے میں مدد ملے۔ اور وہ خود عملی طور پر بھی اس میں جانی و مالی حصہ لینے کا داعیہ محسوس کر سکیں۔

نبی کا مرتبہ

بحوالہ تفسیر عثمانی

اگرچہ پیغمبر نوعِ بشر سے علیحدہ کوئی دوسری نوع نہیں لیکن اس کے اور باقی انسانوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ انسانی قوتیں دو قسم کی ہیں علمی اور عملی۔ قوتِ علمیہ کے اعتبار سے نبی اور غیر نبی میں بینا اور نابینا کا تفاوت سمجھنا چاہیئے۔ نبی کے دل کی آنکھیں ہر وقت مرضیاتِ الٰہی اور تجلیاتِ ربانی کے لئے کھلی رہتی ہیں جس کے بلا واسطہ مشاہدہ سے دوسرے انسان محروم ہیں اور قوتِ عملیہ کا حال یہ ہوتا ہے کہ پیغمبر اپنے قول و فعل اور ہر حرکت و سکون میں رضائے الٰہی اور حکمِ خداوندی کے تابع و منقاد ہوتے ہیں۔ وحیِ سماوی اور احکامِ الٰہیہ کے خلاف نہ کبھی ان کا قدم اٹھ سکتا ہے نہ زبان حرکت کر سکتی ہے ان کی مقدس ہستی اخلاق، اعمال اور کل واقعاتِ زندگی میں تعلیماتِ ربانیہ اور مرضیاتِ الٰہیہ کی روشن تصویر ہوتی ہے جسے دیکھ کر غور و فکر کرنے والوں کو ان کی صداقت اور مامور من اللہ ہونے میں ذرا بھی شبہ نہیں رہ سکتا۔

(تفسیر عثمانی)

آپکی معلومات کیلئے

(۱) حضرت علیؓ کی بیٹی ام کلثوم کا عقد حضرت عمرؓ کے ساتھ ہوا۔ جن سے ان کی اولاد زید بن عمرؓ اور رقیہ بنت عمرؓ ہوئے۔

(۲) حضرت فاطمہؓ کی نمازِ جنازہ حضرت عمرؓ نے پڑھائی۔

(۳) حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے نکاح کے گواہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ تھے۔

(۴) حضرت عمرؓ نے خلافت کے لئے جو مجلس شوریٰ منتخب کی اس میں حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ تھے۔

(۵) حضرت علیؓ کے بیٹوں کا نام ابوبکر، عمر اور عثمان تھے۔ جبکہ کل اولاد ستائیس تھی۔

(۶) امام حسنؓ کے آٹھ لڑکوں میں سے دو بیٹوں کے نام ابوبکر اور عمر تھے

(۷) حضرت زین العابدینؒ کے ایک بیٹے کا نام عمر تھا۔

(رُحماءُ بینھم)

اظہارِ تشکر

ڈاکٹر محمد حامد

نوازشیں جو ہوئیں کس طرح بیاں کیجے
ادائے شکر ہو، ممنونِ جسم وجاں کیجے

کسی نے جامِ محبت پلا دیا مجھ کو
یہ راز بھی ہے مگر کچھ تو داستاں کیجے

گرے ہیں اشکِ ندامت ہیں روزگار ایسے
یہ پھر بھی عرض گذاری بہ آستاں کیجے

ہزار بار درود و ہزار بار سلام
اس آستاں پہ بھکاری ہیں سب شہاں کیجے

یہ کس کے ہاتھ کو ہاتھوں نے چُوم چُوم لیا
یہ رحمتیں یہ کرم کس طرح بیاں کیجے

وہ دور ہے کہ نہ مانیں اگر دکھائی نہ دے
یہ کس مقام کی اب کس سے داستاں کیجے

جہاں پہ سانس کی نبضیں رُکیں وہاں رحمت
چلی منارہ سے لیکر مجھے بہیاں کیجے

یہ فیضِ مرشد کاملِ اللہ یارؒ کا ہے
ہزار شکر فقیرانِ آستاں کیجے

ہزار شکر کہ موسیٰ صفت پلائیں ہمیں
کہ پھر سے تازگیٔ روحِ ناتواں کیجے

ہے میری روح کا گلہ خراب دشت وفا
اسے پلائیے سیراب ولب چکاں کیجے

ہزار شکر منارہ ہوا ہے نور بدوش
ہزار شکر یہ سالارِ کارواں کیجے

ہزار شکر کہ سائے میں اُن کے وقت کٹا
جو راز دار ہیں اُن سے تو کچھ بیاں کیجے

وہی ہیں ہادیٔ بے راہرواں منارے سے
خدا کے نور سے نیویارک[1] ضو فشاں کیجے

کرم ہے اکرم[2] اعواں کا اور یہی حامد
جو میہماں ہو تو ایسوں کو میزباں کیجے

دعا ہے جاری رہے فیضِ درگہِ اکرمؔ
جبینِ شوق کو پامالِ آستاں کیجے

---

[1] نیویارک سے چار افراد تشریف لائے اور روحانی تربیت سے مشرف ہو کر واپس گئے۔ یہ سب امریکی نژاد مسلمان

[2] حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی۔